تعدادِ تراویح

Salfibooks.blogspot.com
http://salfibooks.blogspot.com
http://salfibooks.blogspot.com

بجواب "بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت"

مؤلف:
حافظ عبدالمنان نورپوری

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

محمد یونس شاکر
نوشہرہ ورکاں

فہرست

عنوان	صفحہ
تقریب	۱
فقہ اہل حدیث	۲
فقہ اہل الرائی	۳
فقہ اہل الرائی کے لیے دلائل کی تلاش	۵
دلائل کی کمی پوری کرنے کے لیے احناف کی کاوشیں	۸
دورۂ حدیث	۸
حنفی مذہب کے اثبات کے لیے مجموعہ ہائے احادیث مرتب کرنا	۹
کتب حدیث کی شروح وحواشی	۱۰
کتب حدیث کی طباعت	۱۲
اصول حدیث اور فن رجال کی بیخ کنی	۱۳
قیام رمضان کی مسنون تعداد	۱۶
تراویح عدد مسنون بیس رکعت ثابت کرنے کے جدید طریقے	۱۸
بیس رکعت والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش	۱۸
تراویح اور تہجد کو الگ الگ قرار دینا	۲۰
موطا میں فاروقی فرمان گیارہ رکعت کو ضعیف قرار دینے کی کوشش	۲۱
رسالہ "بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت" پر ایک نظر	۲۵
رکعات تراویح کے عدد میں مرفوع احادیث	۲۵
رکعات تہجد کی تعداد والی احادیث صحیحہ مرفوعہ رکعات تراویح کی تعداد کے	۲۶ تا ۲۹

Scanned with CamScanner

صفحہ	عنوان
	بھی دلائل ہیں کیونکہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے ۔
۲۹	حدیث ما کان یزید فی رمضان الخ
۳۶	حدیث جابر صلی بنا رسول اللہ الخ
۳۷	حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیس رکعت والا اثر
۵۵	عہد فاروقی سے متعلق دیگر آثار
۶۳	ایک لطیف اشارے کی حقیقت
۷۰	مدینہ منورہ کا تعامل
۷۱	کوفہ کا تعامل
۷۵	عہد علوی سے متعلق آثار
۸۴	کتاب "سبل السلام" کی غلطی
۹۰	صاحب "سبل السلام" کی تحقیق در مسئلہ تراویح
۱۰۷	اہل مکہ کا تعامل
۱۴۳	گیارہ رکعات والی روایت پر کلام کی تحقیق
۱۵۴	ترجیح و تطبیق کی تحقیق
۱۸۵	حضرت المؤلف کی ایک تحریر
۱۹۱	تعارف و تبصرہ
۱۹۳	ضمیمہ

محمد یونس شاکر

ناظم جامعہ ابو ہریرہ مسجد مبارک اہلحدیث نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ

Scanned with CamScanner

تقریب

از عبدالسلام بھٹوی

اللہ تعالیٰ نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کہہ کر اپنے نازل کردہ ذکر کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا۔ اسے نہایت معجزانہ طریقے سے پورا فرمایا۔ ذکر کا جو حصہ قرآن مجید کی صورت میں ہے اس کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر ہمیشہ کے لیے اپنی کتاب کی محبت اور اس کے حفظ کا شوق دلوں میں رکھ دیا۔ اور اپنی کتاب کو اتنا آسان فرما دیا کہ بچے جوان بوڑھے سب اسے یاد کر سکتے ہیں اور عربی اور عجمی سب اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور جو حصہ حدیث کی صورت میں ہے اس کی حفاظت کے لیے ہر دور میں ایسی برگزیدہ ہستیوں کو مقرر فرمایا جنہوں نے اس فریضہ کا حق ادا کر دیا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لیے ہزاروں میلوں کے سفر کیے۔ راویانِ حدیث کی عدالت وضبط معلوم کرنے کے لیے لاکھوں آدمیوں کی زندگی کے حالات کو ضبط کیا۔ اتصال معلوم کرنے کے لیے ان کے سنین ولادت ووفات، مختلف شہروں کی طرف ان کی رحلت اور مختلف اساتذہ سے ان کی ملاقات کا پتہ چلایا اور اسے قلم بند کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کذب جلی وخفی کے تمام رخنے بند کرنے کے لیے قرآن وسنت سے استنباط کر کے قواعد وضع کیے جو اصول حدیث کے نام سے موسوم ہیں۔ غرض علمائے امت نے یہ ایسا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا کہ غیر مسلم قوموں کے اہل نظر بھی معترف ہیں کہ مسیحی اور یہودی حضرات اپنے اپنے پیغمبر کے ایک فرمان کی حفاظت بھی اتنے مضبوط اور محکم طریقے سے نہیں کر سکے جس طریقے سے مسلمانوں نے اپنے رسول

Scanned with CamScanner

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں فرامین واحوال کی حفاظت کی۔

فقہ اہل حدیث

اس مبارک جماعت کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جہاں قرآن وحدیث کے دلائل جمع کیے وہاں زندگی میں پیش آمدہ مسائل کے لیے ان دلائل سے احکام کا استنباط بھی کیا۔ انہوں نے اپنی محنت سے ثابت کر دیا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی موجود ہے کمی ہے تو جستجو کی۔ صحابہ کے مختلف شہروں میں پھیل جانے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف شہروں میں منتشر ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ ہر مسئلہ میں حدیث کی تلاش نہایت مشکل کام تھا مگر طلب حدیث کے لیے ہمارے تصور سے بھی زیادہ دشوار حالات میں ہزاروں میلوں کے سفر طے کر کے اور اپنی زندگیاں اس مقدس مشن میں کھپا کر انہوں نے اس بظاہر ناممکن کام کو ممکن بنا دیا چنانچہ ہر مسئلہ میں پہلے حدیث کی تلاش اور پھر فتویٰ ان حضرات کا منتہائے نظر رہا ہے۔ یہ جب مسئلہ بتاتے ہیں تو ساتھ دلیل بھی بیان کرتے ہیں۔ حدیث بیان ہی اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے نکلنے والے مسائل بھی معلوم ہو جائیں۔ حضرت امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، دارمی، ابن حبان، ابن خزیمہ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، سعید بن منصور وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ غرض کس کس کا نام لیا جائے کوئی آفتاب ہے تو کوئی ماہتاب ان کے فہم میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر اصل کے لحاظ سے سب ایک ہیں۔ ان کا نام اہل حدیث اور ان کی فقہ فقہ الحدیث کہلاتی ہے۔ یہ نہ تو ایسے حدیث جمع کرنے والے ہیں جنہیں پتہ ہی نہیں کہ حدیث سے مسئلہ کیا نکلتا ہے اور نہ ہی یہ ایسے مسئلہ بتانے والے ہیں جو مسئلہ تو بتاتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ ہم نے یہ کہاں سے نکالا ہے گویا یہ ایسے عطار (پنساری) ہیں جنہیں اپنے دواخانہ کی ایک ایک دوا کی افادیت کا بھی علم ہے اور ایسے طبیب (حکیم) ہیں جو اپنے

مریض کو اندھیرے میں رکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ اسے دوا دے کر اس کے اجزار بھی
بتا دیتے ہیں تاکہ وہ خود بھی غور کر سکے اور دوسرے طبیبوں سے بھی مشورہ لے سکے
بر نہیں کہ طبیب نے پسا ہوا سفوف دے دیا جس کے اجزار اگر وہ معلوم کرنا چاہے
تو اسے لیبارٹری والوں کا محتاج ہونا پڑے جو محض ظن وتخمین (اندازے) کی بنا
پر اس کے اجزار کی تعیین کرنے پھر یں یقین سے دوا کا ایک جزر بھی نہ بتا سکیں۔
مریض اس بات پر ہی خوش ہے کہ میرا طبیب بڑا لائق ہے خواہ طبیب نے غلطی
سے اسے سم الفار کی پڑیہ ہی دے دی ہو۔ طبیب بے شک نیک نیت تھا مگر غلطی
کا خمیازہ بہرحال مریض کو بھگتنا پڑے گا۔

آپ صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث اٹھا کر دیکھیں یہاں حدیث بھی
جمع ہے ہر حدیث کے ساتھ استنباط مسائل (فقہ) بھی ہے بلکہ استنباط کی مشق بھی
ساتھ ساتھ کروائی جاتی ہے گویا یہ محدث بھی ہیں، مجتہد بھی اور مجتہد گر بھی جن کے
مطالعہ سے بے شمار مجتہدین مثلاً داؤد بن علی، ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن قدامہ
عز بن عبدالسلام، ابن حجر، شوکانی نواب صدیق حسن خاں وغیرہم رحمہم اللہ تعالے
پیدا ہوئے اور اب بھی یہ کتابیں ہر مطالعہ کرنے والے کو فن حدیث سکھاتی ہیں اور
اجتہاد کا سلیقہ بھی ~~سکھا~~ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ
بدگمانی پیدا نہیں ہوئی کہ اس نے قرآن وحدیث کو سمجھنے اور ان سے مسائل کے
استنباط کا دروازہ فلاں صدی کے بعد بند فرما دیا ہے۔

فقہ اہل الرای

ایک طرف یہ محنت شاقہ ہو رہی تھی دوسری طرف
بعض شہروں میں رہنے والے کچھ لوگوں نے اس محنت
کی بجائے ایک دوسری راہ اختیار کی چنانچہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

وذلك انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار
مايقدرون به على استنباط الفقه على الاصول التى

اختارها اهل الحديث ولم تنشرح صدورهم للنظر في اقوال علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم في ذلك وكانوا اعتقدوا في ائمتهم انهم في الدرجة العليا من التحقيق وكان قلوبهم اميل شئ الى اصحابهم كما قال علقمة: "هل احد منهم اثبت من عبد الله"؟ وقال ابو حنيفة: "ابراهيم افقه من سالم ولولا فضل الصحبة لقلت علقمة افقه من ابن عمرؓ. وكان عندهم من الفطانة والحدس وسرعة انتقال الذهن من شئ الى شئ ما يقدرون به على تخريج جواب المسائل على اقوال اصحابهم".

حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۵۲ ج ۱

(ترجمہ) وہ یہ کہ ان کے پاس اس قدر احادیث و آثار موجود نہ تھے جن سے وہ ان اصولوں کے مطابق فقہ کے استنباط پر قادر ہو سکیں جو اہل حدیث نے اختیار فرمائے تھے اور دوسرے شہروں کے علماء کے اقوال میں غور و فکر ان کی جستجو اور انہیں جمع کرنے کے لیے انہیں شرح صدر نہ تھا اور اس (کار دشوار) میں انہوں نے اپنے آپ کو متہم سمجھا اور وہ اپنے علماء کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ تحقیق کے درجہ علیا پر فائز ہیں۔ اور ان کے دل اپنے اصحاب کی طرف بہت زیادہ مائل تھے جیسا کہ علقمہ نے فرمایا ــــــ "کیا ان (صحابہ) میں عبد اللہؓ سے زیادہ بھی کوئی (علم میں) پختہ ہے اور ابو حنیفہ نے فرمایا۔ "ابراہیم، سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ ابن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہیں"۔ اور ان لوگوں کے پاس فطانت، حدس اور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن کی سرعت انتقال کی ایسی صلاحیت تھی جس کے ساتھ وہ اپنے اصحاب

Scanned with CamScanner

کے اقوال کے مطابق سوالات کے جوابات کی تخریج کی قدرت رکھتے تھے۔"
ان لوگوں کے ہاں کمال یہ تھا کہ حقیقی پیش آمدہ واقعات ہوں یا فرضی مسائل سب کا جواب اپنی ذہانت و فطانت سے اپنے اساتذہ کے کلام سے تخریج کر کے دیں۔ پھر ان اقوال و جوابات کے مجموعے تیار ہو گئے جن کے ساتھ دلائل حدیثیہ ذکر نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ کی لیاقت پر اعتماد ہی اصل دلیل تھی پھر قرون خیر کے دور ہونے کے ساتھ سلاطین و خلفاء نے اپنی مصلحتوں کے لیے ان اقوال اور اصحاب اقوال کو بزور حکومت تمام اسلامی قلمرو پر مسلط کر دیا۔ یہ لوگ اہل الرای اور ان کی فقہ فقہ اہل الرائی کہلاتی ہے۔

فقہ اہل الرای کے لیے دلائل کی تلاش

جب کچھ زمانہ گذرا تو بعد میں آنے والوں نے اپنے علماء کے اقوال کے دلائل کی تلاش شروع کی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ دم بدم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا" کی صدا آرہی تھی۔ حریفوں نے اپنی بات دلیل سے بیان کی تھی اس کا وزن بہر حال مسلم تھا اور یہاں اپنوں کا ترتیب دادہ کوئی جامع مجموعہ حدیث ہی نہ تھا جس سے دلیل پیش کر سکیں۔ یہ الگ بات کہ حریف اتنے دیانتدار تھے کہ انہوں نے وہ دلائل بھی (صحیح ہوں یا ضعیف) جمع کر دیئے جن سے اہل الرای استدلال کرتے ہیں۔ اہل الرائی نے اہل حدیث کے مدون کردہ مجموعوں سے اپنے دلائل جمع کئے مگر ہر بات کی دلیل نہ مل سکی کیونکہ اس کا وجود ہی نہ تھا چنانچہ اس میدان میں اپنی بے بضاعتی کے اعتراف کے بغیر ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہ رہا چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند کے صاحبزادے سید انظر شاہ مسعودی اپنے والد محترم کی سوانح حیات "نقش دوام" میں لکھتے ہیں:

"یہ عجیب تاریخ کا راز ہے جس کی وجوہ و علل کا دریافت تاریخ کا

Scanned with CamScanner

سب سے بڑا اختلاف ہوگا کہ حدیث کے بیشتر وہ مجموعے جو آج ہمارے
کتب خانوں کی زینت ہیں غیر حنفی قلم سے ان کی جمع و ترتیب ہوئی
خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس مہم میں حنفی مکتب فکر بھرپور شرکت
کیوں نہیں کر سکا۔ عجیب نہیں کہ یہ پامال اعتراض کہ ابو حنیفہ الامام
حدیث سے نابلد و ناواقف تھے ان شبہات و شکوک میں اس سے
بھی بادلی جا رہی ہو کہ احناف تدوین حدیث کے کاروبار میں پس ماندہ
ہیں۔ اگرچہ متاخرین کی کاوشیں اس خلجان کے لیے کوئی گنجائش
نہیں چھوڑتیں تاہم اسباب کچھ بھی ہوں پھر بھی اس واقعہ سے
انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حدیثی مجموعوں میں احناف کی تالیفی
دستاویزات نہ ہونے کے برابر ہیں ان کی تمام تر توجہ اور زور قلم فقہ
کی تعبیر، استخراج مسائل، نت نئی جزئیات، حوادث و فتاوی کی
ترتیب و تدوین پر ہی رہی"۔ اھ نقش دوام ص۱۷۵، ۱۷۶۔

مزید ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"عجیب بات یہ ہے کہ چار فقہی مکاتب نظر وجود پذیر ہوئے تو
حضرات شوافع کی علمی ہمتیں احادیث کی جمع و ترتیب میں مصروف
رہیں چنانچہ آج عالم اسلام کی کوئی بھی درسگاہ ایسی نہیں جس
میں یہی حدیثی مجموعے زیر درس نہ ہوں۔ مالک علیہ الرحمۃ کے قلم
مبارک سے ان کا مشہور موطا مالکی فقہ کے لیے آج اساسی کتاب
ہے احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا مسند حنابلہ کے لیے کافی و شافی ہے
احناف ہی ایک ایسا فقہی اسکول ہے جس کے پاس خود کسی حنفی
امام کی نیاز تالیف نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کا موطا اور امام
طحاوی کی معانی الآثار ثانوی درجہ میں داخل کی گئیں اور خود
احناف ان سے وہ استفادہ نہ کر سکے جس کی یہ دونوں کتابیں مستحق

محض تاریخی اعتبار سے اس کے کچھ علل و اسباب ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں،" نقش دوام ص ۳۰۸

ان دونوں کتابوں کو احناف کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ موطا تو بنیادی طور پر امام مالک کی تصنیف ہے جو امام محمد نے ان سے روایت کی اور اس میں چند آثار و احادیث اپنے دوسرے اساتذہ کے بھی شامل کر دیئے تفصیل کے لیے دیکھئے لسان المحدثین و دیگر کتب۔ رہ گئے امام طحاوی تو وہ واقعی حدیث کی تدوین میں شریک ہوئے اور اپنی طرف سے پوری کوشش اثبات حنفیت کی کی۔ مگر محدث ہونے کی وجہ سے اس خود سپردگی کا مظاہرہ نہ کر سکے جس کی توقع ایک مکمل حنفی سے کی جاتی ہے نتیجہ نکلا کہ اثبات حنفیت کو اپنا مقصد بنا لینے کی وجہ سے محدثین (جو ہر تعصب سے آزاد ہو کر حدیث کے خادم تھے) کے ہاں بار پا سکے اور نہ احناف نے ہی انہیں پوری طرح قبول کیا۔ چنانچہ داخل درس ہونے کے باوجود حنفی اساتذہ و طلبہ کی دلچسپی اس کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔

نقش دوام میں لکھا ہے :

" امام طحاوی کی اس معرکۃ الآرا تصنیف سے خود حنفیہ کے حلقہ میں جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے اس پر علامہ مرحوم کی بے چینی اور تاسف واضح کر چکا ہوں یہ تو بار بار فرماتے تھے کہ موالک نے طحاوی سے جس قدر فائدہ اٹھایا احناف اس سے محروم رہے اور خود غریب طحاوی حنفیت کی وکالت و دفاع میں ہدف ملامت بن کر رہ گئے پچھلے دنوں دارالعلوم کے مجلس شوری کے اجلاس میں حضرات مدرسین کی مقدار اسباق زیر بحث تھیں طحاوی کی مقدار بہت کم رہی تو اراکین شوری اس پر تاسف کا اظہار کر رہے تھے مولانا مفتی عتیق الرحمان جو طویل و تلخ بحثوں کو لطائف میں اڑانے کے مشاق تھے بولے کہ "بھائی! ہمارے

حضرت (مولانا انور) شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جعفر کے ابلہ کے ساتھ کسی نے انصاف نہیں کیا (ابوجعفر امام طحاوی کی کنیت ہے) اس ظلم کو بھی کہ طحاوی کی مقدار کم ہوئی ہے مظالم علی الطحاوی میں شمار کرو۔ بات آئی گئی ہوگئی"۔ حاشیہ نقش دوام صـ۱۶۷

دلائل کی کمی پورے کرنے کے لیے احناف کی کاوشیں

جمع و تدوین حدیث کا

میدان مکمل طور پر اہلحدیث کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود متاخرین حنفیہ نے اپنی اس کمی کو دور کرنے کے لیے حد سے زیادہ محنت کی۔ مگر اس ساری تگ و دو میں خدمت حدیث کے جذبہ کی حیثیت ثانوی ہے اصل مقصد حنفی مذہب کو حدیث کے مطابق ثابت کرنا ہے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرات احناف نے کئی طریقے اختیار فرمائے ہیں۔

۱۔ دورۂ حدیث

اپنے مدارس میں آٹھ سال تک فقہ حنفی پڑھا پڑھا کر ذھنوں میں حنفیت پختہ کرنے کے بعد ایک سال میں حدیث کے چھ ضخیم مجموعوں سے طلباء کو گذارا جاتا ہے اور شیخ الحدیث کا کام یہ ہوتا ہے کہ یہ بتائے کہ یہ حدیثیں ہمارے مخالف ہیں اور ہم ان کا جواب اس طرح دیتے ہیں اگر کوئی چاہے کہ اپنی آنکھوں کے ساتھ ان حلقہ ہائے درس میں شیوخ حدیث کی حنفیت کے اثبات کی جد و جہد کو دیکھے تو وہ ان کی وہ تقاریر پڑھے جو ترمذی بخاری اور دوسری کتب حدیث کے دروس میں تلامذہ نے قلم بند کی ہیں مثلاً تقریر ترمذی للشیخ محمود الحسن فیض الباری وغیرہ۔ "یادایام" میں اوجز المسالک کے مصنف بذل المجہود کے معاون مصنف اور مشہور تبلیغی نصاب کے مصنف مولانا زکریا صاحب کاندھلوی لے اپنے والد صاحب کا (جن سے انہوں نے حدیث پڑھی) قانون تعلیم بیان فرماتے ہیں:

قانون تعلیم یہ تھا کہ ہر حدیث کے بعد یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف۔ اگر خلاف ہے تو حنفیہ کی دلیل اور حدیث پاک کا جواب۔ یہ تمام گویا حدیث کا جزو لازم تھا جو میرے ذمہ تھا اپنی دلیل نہ بتانا تو یاد نہیں اس لیے کہ ہدایہ اور اس کی شروح وحواشی اور فقہ کی دوسری کتابیں دیکھنے کی نوبت کثرت سے آتی رہتی تھی۔ البتہ حدیث کا جواب کبھی کبھی نہیں دے سکتا تھا تو وہ خود بتاتے تھے"

"یادایام" ص ۲۳

تقریباً یہی قانون تمام مدارس احناف میں جاری وساری ہے۔ جہاں تربیت ہی یہ ہو کہ حنفیہ کی بات کسی صورت نہ ٹوٹنے پائے۔ حدیث پاک خلاف آتی ہے تو ہر طرح اس کا جواب ہونا چاہیے وہاں حدیث کی محبت وحمایت کا ذوق و جذبہ جس قدر باقی رہ سکتا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے کسی لمبے چوڑے غور و فکر کی ضرورت نہیں۔ تعجب یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ حنفیہ کا مسئلہ حدیث پاک کے موافق ہے یا خلاف۔ نہ یہ کہنے میں کوئی باک محسوس ہوتا ہے کہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف؟ فالی اللہ المشتکیٰ

۲۔ حنفی مذہب کے اثبات کے لئے مجموعہ ہائے احادیث مرتب کرنا

سید انظر شاہ نقش دوام میں لکھتے ہیں:

"بہر حال یہ ایک کمی و کوتاہی تھی جس کے تدارک کے لیے متاخرین احناف ہمیشہ متوجہ رہے۔ حضرت مولانا تھانوی نے اپنی زیر نگرانی "اعلاء السنن" کئی جلدوں میں تیار کرائی جس میں ان احادیث کو ایک خاص ترتیب سے جمع کیا گیا جس سے حنفی فقہ کی تائید و تصویب حاصل ہو۔ بہار کے مشہور عالم مولانا ظہیر الحسن شوق نیموی نے دو

جلدوں میں آثار السنن کے نام سے ان احادیث کو یکجا کیا جو فقہ حنفی کی مؤید ہیں: ص ۳۰۹-۳۰۸

ان کے علاوہ بھی مختلف مجموعے اس مقصد کے لیے مرتب کئے گئے۔

ان کتابوں میں مقصد چونکہ بہرحال حنفی مذہب کو ثابت کرنا ہے اس لئے اصول حدیث اور رجال کی بحث میں اپنے اور پرائے کے لیے الگ الگ پیمانے استعمال کئے گئے ہیں اگر کسی اصول سے حنفی مذہب کا اثبات ہوتا ہے تو وہ اجماعی قرار پاتا ہے اور اگر اسی اصول سے دوسرے مقام پر حنفیت کی تردید ہوتی ہے تو اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے پورا زور قلم صرف کیا جاتا ہے۔ ایک راوی کی حدیث اپنے حق میں ہو تو وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہے اور اگر اسی کی حدیث اپنے خلاف ہو تو وہ کذاب اور دجال من الدجاجلہ ہے ولتفصیل موضع آخر اگر رجال اور اصول میں بصیرت رکھنے والا کوئی شخص یہ کتابیں پڑھے تو اس تلون پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اپنا بنا لیا کبھی بیگانہ کر دیا
یہ دھوپ چھاؤں حسب ضرورت بھی خوب ہے

۳۔ کتب حدیث کی شروح و حواشی

کتب حدیث کے مصنفین اور شارحین کے اہل حدیث ہونے کی وجہ سے کتب حدیث پڑھانے وقت طلبہ کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کے لیے تقریباً تمام کتب حدیث کے حواشی حنفی نکتہ نظر سے لکھے گئے اور حنفی ناشرین نے بڑی محنت سے شائع کئے۔ اس سے صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ حدیث کا متن کچھ کہتا ہے اور حاشیہ کچھ اور ہی باور کرانے کی کوشش میں ہے۔ بظاہر حاشیہ حل کتاب کے لیے ہے مگر پڑھیں تو ثابت ہوتا ہے کہ رد کتاب کے لیے ہے صحیح بخاری پر مولانا سہارنپوری کا حاشیہ اس کی بین مثال ہے اسی طرح موطا، ابوداؤد، ترمذی،

نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ پر حنفی علماء کے حواشی دراصل متون حدیث کی تردیدی کاوشیں ہیں۔

اسی طرح کتب حدیث کی ان شروح کی جگہ جو اہل حدیث نے لکھی تھیں حنفی نکتہ نظر سے شروح لکھی گئیں عمدۃ القاری للعینی، فتح الملہم، بذل المجہود، اوجز المسالک، مرقاۃ اسی نظریہ کی پیداوار ہیں۔ مشکوٰۃ کی مشہور شرح مرقاۃ کے مصنف نے تو سبب تصنیف میں لگی لپٹی رکھے بغیر صاف لکھا ہے۔

"وایضا من البواعث ان غالب الشراح کانوا شافعیۃ فی مطلبھم و ذکروا المسائل المتعلقۃ بالکتاب علی منہاج مذاہبھم واستدلوا بظواہر الاحادیث علی مقتضیٰ مشربھم وسموا الحنفیۃ اصحاب الرأی علی ظن انھم مایعملون بالحدیث بل ولا یعلمون الروایۃ والتحدیث ۔____ الی قولہ ____ فاحببت ان اذکر ادلتھم وابین مسائلھم وادفع عنھم مخالفتھم لئلا یتوھم العوام الذین لیس لھم معرفۃ بالادلۃ الفقہیۃ ان المسائل الحنفیۃ تخالف الدلائل الحنیفیۃ"

مرقاۃ ص۳ ج ا طبع امدادیہ۔

ترجمہ: "تصنیف کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ اکثر شارحین اپنے مطلب میں شافعی تھے اور انہوں نے کتاب سے متعلقہ مسائل کو اپنے مذہب کے طریق پر ذکر کیا اور احادیث کے ظواہر سے اپنے مسلک کے مفہوم پر استدلال کیا۔ اور حنفیہ کا نام اہل رائے رکھا اس گمان پر کہ یہ لوگ حدیث پر عمل نہیں کرتے بلکہ روایت اور حدیث بیان کرنے کا انہیں علم ہی نہیں ______ الی قولہ ______ تو میں نے پسند کیا کہ میں ان کے دلائل ذکر کروں، ان کے مسائل واضح کروں اور لوگوں کی مخالفت ان سے دور کروں تاکہ عوام جنہیں ادلہ فقہیہ کی معرفت نہیں اس وہم میں نہ پڑ جائیں کہ حنفیہ کے مسائل ملت حنیفی کے دلائل

کے خلاف ہیں۔"

فرمایئے جب کتب حدیث کی شروح میں نیت ہی حنفی مسائل کی ہر طرح وکالت اوران کا دفاع ہو۔ وہاں حدیث کی جتنی لمبی چوڑی شروح بھی لکھی جائیں ان کا مقصد خدمت حدیث ہوگا یا خدمت حنفیت؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ اپنے سوا سب لوگوں کو یہ حضرات شوافع قرار دیتے ہیں خواہ وہ ائمہ اہل حدیث میں سے کسی سلسلۂ تلمذ سے تعلق رکھتے ہوں۔

۴۔ کتب حدیث کی طباعت

حدیث کی متداول اور عام ملنے والی کتابوں میں حنفیت کی تائید کا مواد نہایت کم ہونے کی وجہ سے حدیث کے ان مجموعوں کی اشاعت وطباعت کی ضرورت محسوس کی گئی جن میں ان حضرات کے خیال کے مطابق حنفیت کی تائید کے لیے مواد موجود ہے۔ چنانچہ مولانا انور شاہ کی سوانح عمری میں لکھا ہے:

> "مسند عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کی احادیث حنفیہ کے لیے خاص طور پر مفید ہیں۔ ہر دو کتب کی اشاعت کی خصوصی تمنا فرماتے۔ اب دونوں کتابیں مجلس علمی کی کوششوں سے طبع ہوگئیں۔"
>
> نفحۃ العنبر ص ۱۷۵

اللہ کی شان دیکھیے جس ابن ابی شیبہ نے اپنی "مصنف" میں ایک مستقل کتاب "الرد علی ابی حنیفہ" کے نام سے لکھی۔ اور دلائل کے ساتھ ان کی رائے کا احادیث کے خلاف ہونا واضح فرمایا۔ ابوحنیفہ کے مقلدین اپنے امام کے لیے دلائل کی دریوزہ گری کے لیے اسی ابن ابی شیبہ کی کتاب کی طباعت کی تمنا کرتے ہیں۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت حدیث کے اہتمام کی ایک عجیب صورت تھی کہ اس نے ایسے ہاتھوں سے یہ کام انجام دلایا جن کو اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں نظر نہ آتیں تو وہ ان مجموعوں کا وجود بھی بمشکل برداشت کرتے۔

تنبیہ: مصنف ابن ابی شیبہ مکمل طبع نہیں ہوئی تھی صرف چند اجزاء طبع ہوئے

تھے۔ چند اجزاء طبع کرنے کے بعد طباعت روک دینے کی وجہ بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد کے اجزاء میں کوئی خاص بات تھی جو چھاپنے والوں کو ظاہر کرنی گوارا نہ ہو سکی۔ اب ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے مولانا مختار احمد اور ان کے ساتھیوں کی محنت سے مکمل کتاب چھپ چکی ہے والحمد للہ۔

بعض کتب احادیث اس لیے طبع کی گئیں کہ ان کے ساتھ ان کا رد بھی شامل کر دیا جائے تاکہ حنفیہ کو پہنچنے والا ضرر کم ہو سکے۔ مثلاً سنن بیہقی کے ذیل میں الجوہر النقی شائع کی گئی۔ اب اگر اشاعت حدیث ہی مقصد ہوتا تو صرف اصل کتاب قاری کے سامنے آنا قابل برداشت ہوتا مگر ساتھ رد شائع کرنے سے ظاہر ہے کہ مطلب سعدی اشاعتِ حدیث نہیں کچھ اور ہے۔

دائرۃ المعارف نے بے شک اشاعت کتب حدیث کی عظیم خدمت سرانجام دی مگر اصل غایت کے نہایت محدود ہونے نے اس عظیم الشان خدمت کو بھی داغدار کر دیا۔

بعض اداروں میں اشاعتِ کتب حدیث کے وقت مذہب کے مطابق بعض مقامات پر الفاظ میں تحریف و تبدیل کی گئی اور بعض مقامات پر خلاف مطلب الفاظ کو حذف کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل آپ کو حضرت مولانا سلطان محمود صاحب حفظہ اللہ کی کتاب لمع الشہود اور مولانا محمد اشرف سندھو مرحوم کی کتاب نتائج التقلید میں ملے گی۔

۵۔ اصول حدیث اور فن رجال کی بیخ کنی

علماء احناف کے ہاں اپنے اصحاب کے خلاف

احادیث کو ماؤل یا منسوخ قرار دینے کی روش عام ہے جیسا کہ کرخی نے اپنی اصول میں اس کی صراحت بھی کی ہے کہ ہمارے اصحاب کے خلاف جو آمین یا حدیث آئے وہ یا ماؤل ہے یا منسوخ۔ لیکن جب مقابلے میں ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت

ہو، ائمہ حدیث اس کی صحت پر متفق ہوں، نسخ کی بنیاد ہی موجود نہ ہو، تاویل کو عقل سلیم قبول نہ کرتی ہو اور اپنی تائید میں ایسی ضعیف روایت کے علاوہ کچھ نہ ہو جو باتفاق محدثین غیر ثابت ہو، وہاں اپنے اہل حلقہ کو تو نسخ یا تاویل کے گول مول دعوی سے خاموش کروایا جاسکتا ہے لیکن تمام دنیا بادشاہ کے خوف سے ننگے کو ننگا نہ کہے یہ بات مشکل ہے۔ اس مقام پر حل مشکل کے لیے آخری دور کے احناف نے نہایت خطرناک اقدام کیا چنانچہ انہوں نے متفقہ اصول حدیث کو بدلنے بلکہ اسے ناقابل اعتماد ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اس بات سے بے پروا ہوکر کہ ایسا کرنے سے وہ منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب دینے کے قابل بھی رہیں گے یا نہیں۔ وہ فن رجال، جس پر احادیث کی صحت وضعف کا مدار ہے، جو احادیث کی حفاظت کے لیے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے اور جس فن کی سطوت و ھیبت کے مقابلے میں غیر مسلم بھی اپنی تاریخ نویسی اور تحقیق کے معیار کو حقیر محسوس کرتے ہیں، اس فن رجال کو ایسے بے رحم طریقے سے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا کہ اس کی رُو سے کوئی شخص نہ ضعیف کو ضعیف کہنے کی جرأت کر سکے نہ صحیح کو صحیح کہنے کی۔ اس کے لیے استخفاف واستہزاء سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولانا انور شاہ کے متعلق ان کے فرزند ارجمند "نقش دوام" میں لکھتے ہیں:

> "اختلافی حدیثوں کے بارے میں شوافع کے یہاں 'اصح مافی الباب' (یعنی اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہ ہے) کا جو ترجیحی طریقہ جاری ہے اس کا جب کبھی ذکر آتا تو فرمانے کہ لیجئے شوافع نے "پٹھے ٹٹولنے" کا کام شروع کر دیا۔ اس علمی لطیفہ کی دلچسپ تفصیل فاضل گیلانی سے سنئے، لکھتے ہیں کہ: "اسماء الرجال کی کتابوں کو اٹھا کر راوی پر جرح کر کے مخالف کی حدیث کو ناقابلِ لحاظ بنا دینا اور صرف رجالی رجسٹروں کی مدد سے کسی روایت کو ترجیح دینا

اور آثار صحابہ، قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین و اصول سے چشم پوشی حضرت شاہ صاحب شافعیوں کے اس طرز عمل کو روایتوں کی ترجیح میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ جرح کے لیے اسمائی رجسٹروں میں راوی کی کمزوریوں کو ٹٹولنا اس کا نام انہوں نے پٹھا ٹٹولنا رکھ لیا تھا فرماتے کہ یہ تو قصابوں کا کام ہوا کہ جو جانور کمزور نظر آیا اسی کو پٹخ کر ذبح کر ڈالا" نقش دوام ص ۱۵۹

پہلے تمام محدثین کو شوافع بنایا پھر محدثین کی بے نظیر کاوشوں کی تحقیر "رجالی رجسٹروں" کی پھبتی کس کر کی۔ ساتھ ہی انہیں قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین سے چشم پوشی کرنے کا مجرم ٹھہرایا۔ سارا مقصد یہ ہے کہ راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کی بنا پر حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار نہ دیا جائے۔ صرف اپنے خیالی اقتضاء آیات اور خود ساختہ "قوانین کلیہ کے ذریعے ثقہ راویوں کی احادیث کو رد کرنے اور ضعیف وکذاب راویوں کی احادیث کو ترجیح دینے کے حق کو تسلیم کیا جائے خواہ وہ اقتضاء آیات کوئی صاحب کچھ سمجھتے ہوں اور کوئی کچھ" فرمائیے حدیث کا کوئی بڑے سے بڑا منکر بھی اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہے؟ وہ بھی تو قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین کے ذریعے ہی احادیث کو رد کرتے ہیں۔

اصول حدیث کے فن اور رجال کی کتابوں سے ان حضرات کو جو روحانی اذیت اور دلی بغض ہے وہ اس عبارت کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے۔

دور حاضر کے ایک مشہور بزرگ نے یہی روش اختیار کر کے حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے فیصلے میں اسناد کی اہمیت کو فقہاء کی فقاہت کے مقابلے میں کمتر قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے بقول: "مولانا یہاں فلاد یانی شاعری کا لبادہ زیب تن فرماتے ہیں۔ فقیہ کا تعارف اس انداز سے کراتے ہیں کہ:

"اس کی روح محمدی میں گم ہو جاتی ہے اس کی نظر بصیرت نبوی کے

سافتہ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے" تفہیمات ص ۳۲۴۔

پھر فرماتے ہیں :

"اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا، وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اسناد پر نہیں ہوتا وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے" الخ

(ص ۳۲۴) منقول از حجیت حدیث ص ۹۲

مولانا سلفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی "مسلک اعتدال" کے ذریعے استخفافِ حدیث کی کوشش کا نہایت مدلل علمی طریقے سے تعاقب کیا ہے جو اُن کے مضامین پر مشتمل کتاب "حجیت حدیث" میں شامل ہے۔ مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسناد کی حیثیت کم کرنے یا ختم کرنے کا نتیجہ انکارِ حدیث ہے۔

قیام رمضان کی مسنون تعداد

اپنے مذہب کے خلاف بالاتفاق ثابت شدہ احادیث کو مختلف طریقوں سے ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور مذہب کے مطابق حد درجے کی ضعیف احادیث کو قوی قرار دینے کی یہی روش احناف نے قیام رمضان کی مسنون تعداد کے سلسلے میں اختیار کی ہے۔

صحیح بخاری ص ۱۵۴ جلد اول میں حدیث موجود ہے کہ ابو سلمۃ بن عبد الرحمان نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا: کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان۔ یعنی رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کس طرح تھی؟ تو انہوں نے فرمایا:

"ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔"

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔

اس متفق علیہ حدیث کی بنا پر محدثین کے علاوہ ائمہ احناف بدرالدین عینی، ابن ہمام، ملا علی قاری، عبدالحق دہلوی اور قریب زمانے کے علماء انور شاہ کشمیری اور قاضی شمس الدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعت ہے۔

اس کے مقابلے میں ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ:

"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر"۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔"

یہ روایت فی غیر جماعۃ (جماعت کے بغیر) کے الفاظ کی تصریح کی وجہ سے ان لوگوں کی دلیل بن ہی نہیں سکتی جو رمضان کے باجماعت قیام کی تعداد بیس رکعت کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں محدثین کے نزدیک یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے خود مولانا انور شاہ کشمیری نے تسلیم کیا ہے:

"اما عشرون رکعۃ فھو عنہ علیہ السلام بسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق" (العرف الشذی ص ۳۰۹)

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت کی روایت ضعیف سند سے آئی ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔"

Scanned with CamScanner

اس حدیث کے ضعف کے اسباب شروح حدیث میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

مرفوع روایت غیر ثابت ہونے کی وجہ سے احناف کو اپنے مسلک بیس رکعت تراویح سنت موکدہ کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا بیس رکعت تراویح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں خلفاء راشدین کی سنت ہے۔ حالانکہ بات یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ موطا مالک میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ گیارہ رکعت قیام کریں۔ اس کے مقابلے میں ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں جس میں یہ موجود ہو کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری یا کسی دوسرے صحابی کو بیس رکعت کا حکم دیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی روایت ہے تو یہ کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت قیام کرتے تھے۔ مگر اس روایت سے بیس رکعت کو سنت عمرؓ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً جب حضرت عمرؓ نے خود بعض لوگوں کے اس عمل کے خلاف گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو سنت عمرؓ گیارہ رکعت ہی ہوگی بیس ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ سے بھی کوئی صحیح روایت بیس رکعت کی موجود نہیں۔

تراویح میں عدد مسنون بیس رکعت ثابت کرنے کے جدید طریقے

یہ طریقہ ان احناف کا تھا جن کا تذکرہ اوپر گذرا۔ موجودہ دور کے علمائے احناف نے اسے سنت خلفاء راشدین قرار دینے کو کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ اپنے متقدمین علماء کے خلاف کئی ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جو امام احمد بن حنبل کے ارشاد کے مطابق جرأت (سینہ زوری) کے علاوہ کچھ نہیں۔

ان کوششوں میں سے پہلی

۱۔ بیس رکعت والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش

کوشش بیس رکعت والی بالاتفاق ضعیف روایت کو صحیح بنانے کی کوشش ہے چنانچہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے مشکوٰۃ کی شرح " التعلیق الصبیح " میں لکھا ہے :

" اعلم ان الحدیث الذی رواہ ابن عباس فی عشرین رکعة الذی ضعفه ائمة الحدیث ھو صحیح عند ھذا العبد الضعیف عفا اللہ عنه ـ صـ۱۰۵ جلد ثانی طبع دمشق

" جان لو کہ ابن عباس کی روایت کردہ بیس رکعت والی جسے تمام ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے وہ اس بندۂ ضعیف کے نزدیک صحیح ہے "۔

پھر اپنے خیال کے مطابق اس کے دلائل ذکر کرتے ہوئے آخر میں خلاصہ ان لفظوں میں ذکر کیا ہے :

" فاذا کان الحدیث یصح بتلقی العلماء الصالحین فکیف لا یصح بتلقی الخلفاء الراشدین وسائر الصحابة والتابعین وجمھور الائمة والمجتھدین " حوالہ مذکورہ

یعنی: " جب حدیث علماء صالحین کے عملاً قبول کر لینے کی وجہ سے صحیح ہو سکتی ہے تو خلفاء راشدین، تمام صحابہ وتابعین اور جمہور ائمہ اور مجتہدین کے عملاً قبول کر لینے کی وجہ سے کیوں صحیح نہیں ہو سکتی ؟ "

چاہیے تو یہ تھا کہ حدیث پر ائمہ حدیث کا جو اصل اعتراض ہے کہ اس کا راوی ابو شیبہ کذاب ہے اسے دور کر کے حدیث صحیح ثابت کرتے مگر رجالی رجسٹر کی رُو سے تصحیح وتضعیف جب شیخ کے نزدیک میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو یعنی بٹا ٹٹولنے والی بات تھی تو تقلید اس چکر میں کیوں پڑتا۔ اس نے پہلے خلفائے راشدین، تمام صحابہ وتابعین، جمہور ائمہ ومجتہدین کے ذمہ گھڑ کر ایک بات لگائی پھر اس حوالہ سے رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم پر بہتان کو صحیح قرار دے کر اپنے تمام پیشروائمہ حدیث کے فیصلے کو غلط قرار دیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ تقلید کا دعوی کرنے اور اس پر فخر کرنے والے حضرات کس ذیدہ دلیری سے اتنے بڑے مجتہد بن جاتے ہیں کہ اپنے سے پہلے تمام ائمہ حدیث کی متفق علیہ بات کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں حالانکہ جس طرح بیس رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ثابت نہیں اسی طرح خلفائے راشدین سے بھی ثابت نہیں۔ اور اسے تمام صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ و مجتہدین کا مذہب ہونے کا دعوی تو صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو خود بھی فریب نفس میں مبتلا ہو اور دوسروں کو بھی اندھا دیکھنے کا خواہش مند ہو۔ آپ عینی کی عمدۃ القاری اور ترمذی کی الجامع اٹھا کر دیکھیں صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ و مجتہدین میں گیارہ مسنون رکعتوں پر اکتفار کرنے والے بھی موجود ہیں اور اپنی سہولت کے لیے قیام میں تخفیف کر کے رکعتوں کی تعداد بیس، چھتیس ۳۶ اور چالیس ۴۰ تک پہنچانے والے بھی۔ ہمارے کئی بھائی تو اپنی تصنیفات اور تقریروں میں امام ابوحنیفہ سے روزانہ ہزار رکعات پڑھنا بھی بیان فرماتے ہیں۔ اور مولانا کاندھلوی ہیں کہ تمام صحابہ، تابعین اور جمیع ائمہ و مجتہدین کو بیس رکعت پڑھنے والے بنا کر اس کے ذریعے بیس رکعت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل مہیا فرما رہے ہیں آپ خود غور فرمائیں کہ جب بنیاد اتنی کمزور ہو تو اس پر اٹھائی جانے والی عمارت کا حال کیا ہوگا؟

۲۔ تراویح اور تہجد کو الگ الگ قرار دینا

دوسری کوشش جس کی طرف پہلے کسی حنفی کا خیال بھی نہیں گیا تھا یہ باور کروانا ہے کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ گیارہ رکعتوں والی روایات اگرچہ صحیح ہیں مگر یہ تہجد سے متعلق ہیں۔ تراویح سے ان کا تعلق نہیں۔ اس جدید اختراع پر بعض حضرات کو اتنا ناز ہے کہ ان کے خیال کے مطابق اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ ضلع گوجرانوالہ کے مشہور حنفی عالم قاضی عصمت اللہ صاحب خطیب قلعہ دیدار سنگھ کی اسی بنیاد پر ہمارے فاضل

بھائی مولانا حافظ عبدالمنان صاحب سے تحریری گفتگو ہوئی۔ ساتھ ہی دوسرے آثار و احادیث کا ذکر بھی ہوتا رہا مگر قاضی صاحب چوتھے یا پانچویں رقعے پر ہی قلم چھوڑ بیٹھے۔ یہ مراسلت تحقیق التراویح کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ نہایت دلچسپ اور قابل مطالعہ چیز ہے اور اللہ کے فضل سے بہت سے لوگوں کے لیے باعث ہدایت واطمینان ہوئی ہے۔

۳۔ مؤطا میں فاروقی فرمان گیارہ رکعت کو ضعیف قرار دینے کی کوشش

تیسری کوشش موطا کی صحیح روایت کو کہ "حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا" مضطرب ثابت کر کے ناقابل اعتبار ٹھہرانا اور اس کے مقابلے میں ان ضعیف آثار کو صحیح قرار دینے کی کوشش ہے جن میں حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت پڑھنے یا حکم دینے کا ذکر ہے۔

یہ کوشش دوسرے کئی حضرات کے علاوہ ضلع گجرات کے ایک حنفی عالم مولوی غلام سرور صاحب نے بھی کی اور "بیس رکعت تراویح کی شرعی حیثیت" نامی رسالہ میں بزعم خود دلائل سے ثابت کیا کہ بیس رکعت واقعی خلفائے راشدین کی سنت ہے اور گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا۔ رسالہ پر مولانا محمد چراغ صاحب بانی جامعہ عربیہ گوجرانوالہ تلمیذ علامہ انور شاہ کی تصدیق و تقریظ بھی ہے۔ مصنف کو اپنے دلائل اور طرز تحریر کی پختگی پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے خود یہ رسالہ ایک طالب علم کی وساطت سے ہمارے محترم بھائی حافظ عبدالمنان صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اس پر تبصرہ فرمائیں۔ حافظ صاحب نے اس رسالہ کا جائزہ نہایت سنجیدہ اور مدلل طریقے سے لیا اور واضح کیا کہ اضطراب کے دعوی کی حقیقت کیا ہے؟ اور ابن تیمیہ، شوکانی، ابن ہمام، ملا علی قاری وغیرہم تراویح میں مسنون عدد کیا سمجھتے ہیں اور خلفائے راشدین کی سنت بیس رکعت ہونے کے دعوی کی حقیقت کیا ہے۔ مصنف نے اپنے تین دعووں کے لیے تین

دلیلیں سبل السلام میں بیہقی سے نقل کی گئی ایک عبارت سے پیش کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے سبل السلام اور بیہقی دونوں کی عبارتوں کو بالمقابل لکھ کر ثابت کر دیا کہ سبل السلام میں یہ تینوں باتیں غلط نقل ہوئی ہیں۔ اور مصنف نے اپنے دلائل کی بنیاد اصل کتاب پر رکھنے کی بجائے دوسری کتاب میں نُسّاخ کی غلطیوں پر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ بحث کے ضمن میں کئی نادر نکات وتحقیقات ایسی ذکر کی ہیں جو کسی دوسری جگہ یکجا نہیں مل سکتیں بلکہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس سے پہلے شاید کسی قلم سے نہ نکلی ہوں کیونکہ مصنف نے بزعم خود جدید دلائل پیش کئے تھے اس لیے ان کا جواب بھی جدید ہی دینے کی ضرورت تھی اور یہ خدمت اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب موصوف سے لی ہے۔

حافظ صاحب نے پہلے تقریباً چالیس صفحات لکھ کر صاحب رسالہ کے پاس بھیجے جس پر انہوں نے صرف دو تین باتیں لکھ بھیجیں اور اعتراف کیا کہ آپ نے واقعی بہت محنت کی ہے اور مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جائے گی۔ پھر رسالہ مکمل ہونے پر حافظ صاحب نے ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے کوئی تصدیقی یا تردیدی جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا غلام سرور صاحب کے نزدیک حافظ صاحب کے تعقبات واقعی لاجواب ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جب مولانا صاحب پر حق واضح ہو چکا ہے تو وہ اس کے اعتراف میں اور اس پر عمل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے کیونکہ قیامت کے دن حق پر عمل کام آئے گا نہ کسی دھڑے سے وابستگی۔ فبشر عباد۔ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے علم میں مزید برکت فرمائے اور ہمیں ان کے فوائد سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ تحریر رسالہ کے تعارف کے طور پر لکھی گئی ہے۔ حافظ صاحب کا خطاب

چونکہ ایک عالم سے تھا اس لیے انہوں نے عربی عبارات کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اکثر مقامات پر اقوال کہہ کر عربی عبارات پر تبصرہ بھی عربی میں کیا تھا۔ دوستوں کی خواہش پر جب رسالہ طبع کروانے کا ارادہ ہوا تو حافظ صاحب نے مجھے حکم دیا کہ تم ان عربی عبارات کا اُردو ترجمہ کر دو۔ چنانچہ میں نے ان تمام عبارات کا ترجمہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو علماء اور عوام کے لیے نافع بنائے۔ واللہ الموفق وبیدہ القبول۔

عبدالسلام بھٹوی۔ جامعہ محمدیہ
جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

http://salfibooks.blogspot.com

http://salfibooks.blogspot.com

Scanned with CamScanner

رسالہ

"بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت"

پر ایک نظر

حضرت مولانا غلام سرور صاحب گجراتی (اطال اللہ بقاءہ) مصنف رسالہ "بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت" نے جامعہ عربیہ جی۔ ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ کے ایک متعلم کی وساطت سے بندہ کو اپنے رسالہ مذکورہ پر کچھ لکھنے کو فرمایا چنانچہ ان کی درخواست پر میں نے چند امور تحریر کئے ہیں جو پیش خدمت ہیں ان سے اپیل ہے کہ اگر میری تحریر میں انہیں کوئی خطا نظر آئے تو وہ مجھے مطلع فرمائیں ان شاء اللہ العزیز خطا ثابت ہونے پر اس کی اصلاح کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۔ رکعات تراویح کے عدد میں مرفوع احادیث

مؤلف رسالہ لکھتے ہیں: "یاد رہے کہ صلاۃ تراویح کے سلسلہ میں جملہ روایات مرفوعہ کا لب لباب یہ ہے کہ ایک ماہ رمضان کی صرف تین راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز تراویح پڑھائی یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام سے منقول ہے مگر کسی صحابی کی صحیح السند روایت میں تعداد رکعت مذکور نہیں" انتہی بلفظہ (ص؟)

اولا تو ان جملہ روایات مرفوعہ جن کا لب لباب حضرت المؤلف نے بیان فرمایا میں سے کسی ایک روایت میں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ جو نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رمضان کی صرف تین راتوں میں پڑھائی وہ نماز تراویح تھی نماز تہجد نہیں تھی اس لیے کوئی صاحب کہہ سکتے ہیں درحقیقت وہ نماز جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک میں تین رات پڑھائی نماز تہجد ہی تو تھی

Scanned with CamScanner

چنانچہ ان مرفوع روایات ہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نماز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان تین راتوں سے پہلے بھی پڑھا کرتے تھے اور ان تین راتوں کے بعد تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا یہ نماز گھروں میں پڑھو کیونکہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

صاحب فیض الباری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قال عامة العلماء: ان التراويح وصلاة الليل نوعان مختلفان والمختار عندي انهما واحد وان اختلفت صفتاهما كعدم المواظبة على التراويح واداءها بالجماعة واداءها في اول الليل تارة وايصالها الى السحر اخرى بخلاف التهجد فانه كان في اخر الليل ولم يكن فيه الجماعة وجعل اختلاف الصفات دليلا على اختلاف نوعيهما ليس بجيد عندي بل كانت تلك صلاة واحدة اذا تقدمت سميت باسم التراويح واذا تاخرت سميت باسم التهجد ولا بدع في تسميتها باسمين عند تغاير الوصفين فانه لا حجر في التغاير الاسمي اذا اجتمعت عليه الامة، وانما يثبت تغاير النوعين اذا ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم انه صلى التهجد مع اقامته بالتراويح ثم ان محمد بن نصر وضع عدة تراجم في قيام الليل وكتب ان بعض السلف ذهبوا الى منع التهجد لمن صلى التراويح، وبعضهم قالوا باباحة النفل المطلق، فدل اختلافهم هذا على اتحاد الصلاتين عندهم، ويؤيده فعل عمر رضي الله تعالى عنه فانه كان يصلي التراويح في بيته في اخر الليل مع انه كان امرهم ان يؤدوها بالجماعة في المسجد ومع ذالك لم يكن يدخل فيها، وذالك لانه كان يعلم ان عمل النبي صلى الله عليه وسلم كان باداءها في اخر الليل، ثم تبهم عليه قال:

ان الصلاۃ التی تقومون بھا فی اول اللیل منضولۃ منھا لوکنتم تقیمونھا فی اخر اللیل۔ فجعل الصلاۃ واحدۃ وفضل قیامھا فی اخر اللیل علی القیام بھا فی اول اللیل۔ دعا متھم لما لم یدرکوا مرادہ جعلوہ دلیلا علی تغایر الصلاتین وزعموا انھما کانا صلاتین۔ ثم ان التراویح لم یثبت مرفوعا ازید من ثلاث عشرۃ رکعۃ الا بطریق ضعیف لا اقول: انھا لم تکن فی نفس الامر بل انما انکر النقل عنہ بطریق صحیح، فبقی الحال مستورا فیما زاد فجاز ان یکون صلاھا بالعدد المشھور وجاز ان یکون اقتصر علی ھذا القدر فقط الا ان الثابت عنہ ھو ثلاث عشرۃ۔ اھ (ج ۲ ص ۲۰ ح ۴)

ترجمہ: عام علماء کہتے ہیں کہ تراویح اور صلاۃ اللیل (تہجد) دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں۔ اور میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان کی صفات مختلف ہیں جیسا کہ تراویح پر ہمیشگی نہ ہونا اور اسے جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور کبھی اسے رات کے شروع میں ہی پڑھ لینا اور کبھی اسے سحری تک پہنچا دینا اس کے خلاف تہجد رات کے آخری حصے میں ہوتی تھی اور اس میں جماعت نہ تھی۔ لیکن ان صفات کے اختلاف کو اس بات کی دلیل بنا لینا کہ یہ دونوں مختلف قسم کی نمازیں ہیں میرے نزدیک اچھی بات نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ایک ہی نماز تھی جب اسے پہلے پڑھا گیا تو اس کا نام تراویح رکھ لیا گیا اور جب پچھلے حصہ میں پڑھا گیا تو اس کا نام تہجد رکھ لیا گیا اور اس ایک نماز کی صفات جدا جدا ہونے کی بنا پر اس کے دو نام رکھ لینا کوئی انوکھی بات نہیں۔ کیونکہ الگ الگ نام رکھ لینے میں کوئی پابندی نہیں جب کہ امت اس پر مجتمع ہو۔ اور ان دونوں نمازوں کا الگ الگ قسم کی نماز ہونا صرف اس صورت میں ثابت ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھنے کے ساتھ تہجد بھی ادا فرمائی ہو۔ پھر محمد بن نصر نے قیام اللیل میں کئی عنوان مقرر فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض سلف کا مذہب یہ ہے۔ کہ جو شخص تراویح پڑھے اس

کے لیے تہجد منع ہے اور بعض نے کہا کہ نفل پڑھنے مطلقاً جائز ہیں تو ان بزرگوں کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں نمازیں ان کے نزدیک ایک ہی ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ تراویح رات کے آخری حصے میں اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے حالانکہ انہوں نے خود لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں لیکن اس کے باوجود وہ خود اس میں شریک نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ نماز رات کے آخری حصے میں ادا کرنے کا تھا پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس بات سے یہ کہہ کر آگاہ فرمایا کہ یہ نماز جسے تم رات کے شروع حصے میں پڑھتے ہو اگر رات کے آخری حصہ میں پڑھو تو اس کا ثواب زیادہ ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے نماز کو ایک ہی قرار دیا اور اسے رات کے آخری حصہ میں پڑھنا شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ فضیلت کا باعث قرار دیا۔ عام علماء نے آپ کا اصل مطلب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اسے الگ الگ دو نمازیں ہونے کی دلیل بنا لیا اور سمجھ لیا کہ یہ دو الگ الگ نمازیں تھیں۔ میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ رکعات سے زیادہ ثابت نہیں مگر ضعیف سند سے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نفس الامر میں تیرہ سے زیادہ رکعتیں نہیں تھیں بلکہ میں تو صرف صحیح سند کے ساتھ تیرہ سے زیادہ رکعتوں کے ثبوت کا انکار کر رہا ہوں۔ اب اس سے زیادہ کا حال ہم سے پوشیدہ ہے ہو سکتا ہے آپ نے مشہور تعداد کے مطابق پڑھی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسی تعداد پر اکتفا فرمایا ہو البتہ آپ سے ثابت صرف تیرہ رکعتیں ہی ہیں۔ انتہی (ص ۳۲۰ ج ۲)

نیز صاحب عرف شذی فرماتے ہیں۔

لا مناص من تسلیم ان تراویحه علیه السلام کانت ثمانی رکعات ولم یثبت فی روایة من الروایات انه علیه السلام صلی التهجد والتراویح علی حدة فی رمضان

یعنی یہ تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعت تھیں اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہو سکا کہ آپ

Scanned with CamScanner

صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھیں۔

توجب تہجد اور تراویح دراصل ایک ہی نماز کے دو نام ہیں تو پھر ثبوت عدد رکعات تراویح از نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنا درست نہیں ورنہ لازم آئے گا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عدد رکعات تہجد بھی ثابت نہ ہو واللازم کما تری تو عدد رکعات تہجد میں وارد شدہ تمام احادیث مرفوعہ صحیحہ عدد رکعات تراویح کے دلائل ہیں کیونکہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔

دثانیا: امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مؤطا میں باب منعقد فرماتے ہیں باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل۔ اور اس باب میں پہلے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں جس میں تین راتوں کا واقعہ مذکور ہے اور دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی وہ مرفوع اور صحیح حدیث ذکر فرماتے ہیں جس میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کے سوال کیف کانت صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان (رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کس طرح تھی) کا جواب دیا ہے

ما کان رسول اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ الی اخرالحدیث

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ حدیث کے آخر تک۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ التعلیق المجد میں لکھتے ہیں۔

قولہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ روی ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید والبغوی والبیہقی والطبرانی عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی عشرین رکعۃ والوتر فی رمضان۔ وفی سندہ ابراھیم بن عثمان ابوشیبۃ جد ابن ابی شیبۃ صاحب

Scanned with CamScanner

المصنف وهو مقال ورح فيه۔ وقد ذكرت كلام الائمة عليه فى تحفة الاخيار وقال جماعة العلماء منهم الزيلعى وابن الهمام والسيوطى والزرقانى: ان هذا الحديث مع ضعفه معارض بحديث عائشة الصحيح فى عدم الزيادة على احدى عشرة ركعة فيقبل الصحيح ويطرح غيره۔ وفيه نظر اذ لا شك فى صحة حديث عائشة وضعف حديث ابن عباس لكن الاخذ بالراجح وترك المرجوح انما يتعين اذا تعارضا تعارضا لا يمكن الجمع وههنا الجمع ممكن بان يحمل حديث عائشة على انه اخبار عن حاله الغالب كما صرح به الباجى فى شرح المؤطا وغيره ويحمل حديث ابن عباس على انه كان ذالك احيانا۔ اھ۔

ترجمہ: راوی کا قول "علی احدی عشرۃ رکعۃ" یعنی گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، بغوی بیہقی اور طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ اس روایت کی سند میں المصنف والے ابن ابی شیبہ کا دادا ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ ہے اور اس میں محدثین نے طعن کیا ہے۔ اور میں نے اس پر ائمہ کا کلام تحفۃ الاخیار میں ذکر کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے جن میں زیلعی، ابن ہمام، سیوطی اور زرقانی شامل ہیں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ حضرت عائشہ کی گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے والی حدیث سے ٹکراتی بھی ہے اس لیے صحیح کو قبول کیا جائے گا اور اس کے غیر کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث کے صحیح ہونے اور ابن عباس کی حدیث کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن راجح کو لے لینا اور مرجوح کو چھوڑ دینا صرف اس جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں حدیثوں میں ایسا تعارض ہو کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے اس طرح کہ حضرت عائشہ کی حدیث کو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوقات پر محمول کیا جائے جیسا کہ باجی نے موطا کی شرح میں اس کی صراحت کی ہے اور ان کے علاوہ کئی علماء نے بھی یہ بیان کیا ہے اور ابن عباس کی حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ یہ بعض اوقات میں تھا۔ مولانا عبدالحی کا کلام ختم ہوا۔

اقول: وفیہ نظر اما اولاً فلان ما قالہ الزیلعی وابن الہمام والسیوطی والزرقانی وغیرھم انما ھو من باب الاخذ بالصحیح وطرح الضعیف ولیس من باب الاخذ بالراجح وترک المرجوح اصطلاحاً وبینھما فرق۔ واما ثانیاً فلان الجمع انما یؤخذ بہ اذا کان المتعارضان مقبولین والامر ھھنا لیس کذالک اذا احد المتعارضین صحیح مجمع علی صحتہ والثانی ضعیف متفق علی ضعفہ بل ابو شیبۃ قد کذبہ شعبۃ کما فی العمدۃ۔ والحق انہ لا معارضۃ ھھنا اصلاً اذ لا معارضۃ بین الصحیح والضعیف واما ثالثاً فلان تصریح الباجی فی شرح المؤطا وتصریح غیرہ بحمل حدیث عائشۃ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ علی حالہ الغالب انما ھو بالنسبۃ الی حدیثھا وحدیث ابن عباس الذی فیہ ذکر ثلاث عشرۃ رکعۃ لا بالنسبۃ الی حدیث ابن عباس الذی فیہ ذکر عشرین رکعۃ فتامل۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس کلام میں کئی طرح سے نظر ہے۔ اولاً اس لیے کہ زیلعی، ابن ہمام، سیوطی اور زرقانی وغیرہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح کو لے لینے اور ضعیف کو ترک کرنے کے قبیل سے ہے نہ کہ اس قبیل سے جسے اصطلاح میں راجح کا اخذ اور مرجوح کا ترک کہا جاتا ہے اور ان دونوں میں فرق ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ تطبیق وہاں کی جاتی ہے جہاں دونوں ٹکرانے والی روایتیں مقبول ہوں اور یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ دونوں متعارض روایتوں میں سے ایک صحیح ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے اور دوسری ضعیف ہے جس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے بلکہ ابو شیبہ

کو شعبہ نے جھوٹا قرار دیا ہے جیسا کہ بدہ میں ہے اور اصل بات یہ ہے کہ یہاں دونوں
روایتوں میں بالکل ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ٹکراؤ نہیں ہوتا ثانیاً
اس لیے کہ باجی نے شرح موطا میں جو تصریح کی ہے اور دوسرے علماء نے بھی اس کی تصریح
کی ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث "کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت
سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے" آپ کے اکثر اوقات پر محمول ہے تو ان علماء کا یہ ارشاد حضرت
عائشہ کی اس حدیث اور ابن عباس کی اس حدیث کے بارے میں ہے جس میں ابن
عباس نے تیرہ رکعات کا ذکر کیا ہے اس حدیث کے بارے میں نہیں جس میں بیس رکعتوں
کا ذکر ہے۔ اس لیے اس میں خوب غور کیجئے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

وقال ابن الهمام: قد منا فى باب النوافل عن ابى سلمة بن
عبد الرحمن سألت عائشة كيف كانت صلاة رسول الله صلى الله
عليه وسلم فى رمضان فقالت: ما كان يزيد فى رمضان ولا فى
غيره على احدى عشرة ركعة الحديث واما ما روى ابن ابى
شيبة فى مصنفه والطبرانى والبيهقى من حديث ابن عباس انه
عليه الصلاة والسلام كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة سوى
الوتر فضعيف بابى شيبة ابراهيم بن عثمان جد الامام ابى بكر
ابن ابى شيبة متفق على ضعفه مع مخالفته للصحيح نعم ثبت
العشرون من زمن عمر ففى الموطا عن يزيد بن رومان قال كان
الناس يقومون فى زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة وروى البيهقى فى المعرفة عن
السائب بن يزيد قال كنا نقوم فى زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر
قال النووى فى الخلاصة اسناده صحيح وفى الموطا رواية باحدى
عشرة ركعة وجمع بينهما بانه وقع اولا ثم استقر الامر على
العشرين فانه المتوارث فتحصل من هذا كله ان قيام رمضان
سنة احدى عشرة بالوتر فى جماعة فعله عليه الصلاة والسلام

Scanned with CamScanner

ثم ترکه لعذر افاد انه لولا خشية ذالك لواظبت بكم ولا شك
في تحقق الامن من ذالك لوفاته عليه الصلاة والسلام فيكون
سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين وقوله عليه الصلاة
والسلام عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين ندب الى سنتهم
ولا يستلزم كون ذالك سنته اذ سنته بمواظبته بنفسه او الا لعذر
وبتقدير عدم ذالك العذر انما استفدنا انه كان يواظب على
ما وقع منه وهو ما ذكرنا (اي احدى عشرة ركعة) فيكون العشرون
مستحبا وذالك القدر (اي احدى عشرة) منها هو السنة كالاربع
بعد العشاء مستحبة وركعتان منها هي السنة. اھ (ج ۱ ص ۱۹۲)

ابن ہمام نے فرمایا۔ ہم نے اس سے پہلے باب النوافل میں ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کی روایت ذکر کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کس طرح تھی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ الحدیث۔ اور جو ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ کہ آپ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھتے تھے تو وہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے علاوہ ازیں وہ صحیح کے بھی خلاف ہے ہاں بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ثابت ہیں چنانچہ موطا میں یزید بن رومان سے ہے کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں تیئیس رکعت قیام کرتے تھے اور بیہقی نے المعرفۃ میں سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اور موطا میں ایک روایت گیارہ رکعت پڑھنے کی ہے اور دونوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے پھر بیس پڑھنے کا دستور ہو گیا کیونکہ بعد میں آنے والوں کو یہی تعداد وراثۃً ملی ہے اس ساری بحث سے حاصل یہ ہوا کہ قیام

Scanned with CamScanner

رمضان وتر سمیت گیارہ رکعت باجماعت سنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا۔ پھر اسے یہ عذر بیان فرما کر ترک کر دیا کہ اگر وجوب کا خوف نہ ہوتا تو میں ہمیشہ نہیں پڑھاتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے یہ خطرہ تو بلاشک و شبہ ختم ہو گیا اس لیے اب یہ سنت ہے۔ البتہ اس کی رکعات کا بیس ہونا خلفاء راشدین کی سنت ہے اور آپ کا فرمان کہ "میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو" خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب ہے لیکن اس سے بیس رکعت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ آپ کی سنت تو یا آپ کی ہمیشگی سے ثابت ہوتی ہے یا کسی عذر کی بنا پر ہمیشگی نہ کر سکنے سے (کہ ہم یہ فرض کر سکیں کہ اگر فلاں عذر نہ ہوتا تو آپ اس پر ہمیشگی کرتے) اب یہاں اگر ہم یہ فرض کریں کہ آپ کو وجوب کے خطرے کا عذر نہیں تھا تو حاصل یہی ہوتا ہے کہ آپ اسی تعداد پر ہمیشگی فرماتے تھے جو آپ سے ثابت ہے اور وہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی (یعنی گیارہ رکعت) پس بیس مستحب ہوں گی اور ان بیس میں سے یہ گیارہ سنت ہوں گی۔ جیسا کہ عشاء کے بعد چار مستحب ہیں جن میں سے دو سنت ہیں۔ مرقاۃ کی عبارت ختم ہوئی (ج ۲ ص ۱۹۲)۔

اقول: کما ان سنۃ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ما واظب ھو علیہ بنفسہ کذالک سنۃ الخلفاء الراشدین ما واظبوا ھم علیہ بانفسھم ولم یثبت عن احد منھم القیام بعشرین رکعۃ ولا الامر بہ کما ستعرف ان شاء اللہ تعالی۔

میں کہتا ہوں ——— جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ ہے جس پر آپ نے خود ہمیشگی فرمائی ہو اسی طرح خلفاء راشدین کی سنت بھی وہ ہے جس پر انہوں نے خود ہمیشگی فرمائی ہو۔ حالانکہ ان میں سے کسی سے بھی بیس رکعت کا نہ خود قیام ثابت ہے نہ کسی کو اس کا حکم دینا جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری کتاب صلاۃ التراویح میں حضرت

Scanned with CamScanner

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ما کان یزید فی رمضان الخ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قولہ ما کان یزید فی رمضان الی اخرہ فان قلت: روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر. قلت: ھذا الحدیث رواہ ایضا ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابۃ قال حدثنا منصور بن ابی مزاحم حدثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابو شیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرھم واوردلہ ابن عدی ھذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ (ج ۵ ص ۳۵۸،۳۵۹).

ترجمہ: قولہ ما کان یزید الخ اگر تم کہو کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے تو میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ابو القاسم بغوی نے معجم الصحابہ میں بیان کی ہے کہ ہمیں منصور بن ابی مزاحم نے بیان کیا اس نے کہا ہمیں ابو شیبہ نے حکم سے بیان کیا اس نے مقسم سے اس نے ابن عباس سے بیان کیا۔ ساری حدیث۔ اور یہ ابو شیبہ، ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی واسط کا قاضی ہے اور ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا۔ شعبہ نے اسے جھوٹا قرار دیا اور احمد، ابن معین، بخاری اور نسائی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا اور ابن عدی نے الکامل میں یہ حدیث اس کی منکر روایات میں ذکر کی ہے۔ عبارت ختم ہوئی۔ (جلد ۵ صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹)

تو نقول بالا سے معلوم ہوا کہ امام محمد بن حسن شیبانی، حافظ زیلعی، علامہ سیوطی، علامہ زرقانی، علامہ ابن ہمام، علامہ عینی، ملا علی قاری، مولانا عبدالحی لکھنوی، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ اور دیگر علماء کرام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی

حدیث ما کان یزید الخ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکعات تراویح کے عدد کو ثابت کیا ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ قطعی الصحۃ ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث قطعی الصحۃ ہیں تو صحیح السند مرفوع بلکہ قطعی الصحۃ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکعات تراویح کی تعداد مذکور ہے۔

نیز امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں باب منعقد فرمایا ہے۔

باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔

ترجمہ یہ باب ان حدیثوں کے بیان میں ہے جن میں ماہ رمضان کے قیام کی رکعات کی تعداد بیان کی گئی ہے۔

پھر انہوں نے اس باب میں پہلے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ما کان یزید الخ کو درج کیا اور ایسے ہی علامہ شوق صاحب نیموی حنفی نے آثار السنن میں باب منعقد فرمایا:

باب التراویح بثمان رکعات

ترجمہ: آٹھ رکعت تراویح کا بیان۔

اور نیچے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ما کان یزید الخ کو ذکر کیا اور دو مرفوع حدیثیں اور بیان فرمائیں تو آثار السنن سے استفادہ کرنے والا منصف مزاج یہ فیصلہ کبھی نہیں دے سکتا کہ صحیح مرفوع حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تراویح کی تعداد مذکور نہیں۔

وثالثا:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث صلی بنا رسول اللہ علیہ وسلم فی رمضان والوتر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان میں نماز پڑھائی اور وتر پڑھا) کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر وسیع العلم حضرات کے نزدیک صحیح ہے مگر تصحیح میں ان کا تساہل مشہور ہے

اور اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے چنانچہ حافظ ذہبی میزان میں معدلین وجارحین کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں اس حدیث کی سند وسط ہے نیموی صاحب نے فرمایا اسنادہ دون وسط (اس کی اسناد وسط (درمیانی) سے کم ہے) جس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے کلام کیا ہے تفصیل کے لیے مآخذ کی طرف رجوع فرمائیں۔

یاد رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ما کان یزید الخ اور صلوٰۃ اللیل میں وارد شدہ دیگر احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں ویسے آپ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہی دوسری حدیث بجاء ابی بن کعب الخ بھی آثار السنن وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ورابعاً: پہلے تو یہ ذکر رہے کہ صحیح مرفوع احادیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکعات تراویح کی تعداد مذکور ہے جب کہ اثبات کے لیے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں بلکہ اثبات کے لیے حسن حدیث بھی کافی ہوتی ہے کما لا یخفی علی اہل العلم اس لیے صاحب رسالہ کے بیان میں سند کو صحیح سے مقید کرنا درست نہیں الا یہ کہ صحیح سے صحیح مصطلح مراد نہ ہو صحیح بمعنی قابل احتجاج ہو پھر بھی سند کا لفظ نہ بولنا چاہیے تھا کیونکہ سند صحیح یا حسن ہونے کو حدیث یا اثر کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں والتفصیل فی موضعہ۔

۲۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا اثر

اولاً: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

عن داود بن قیس عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ رواہ عبد الرزاق ومحمد

Scanned with CamScanner

بن نصر ۱۰۱ھ (ص۵)

ترجمہ: داؤد بن قیس سے روایت ہے وہ محمد بن یوسف سے بیان کرتے ہیں وہ سائب بن یزید سے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری پر اکیس رکعت پر جمع فرمایا اس روایت کو عبدالرزاق اور محمد بن نصر نے بیان کیا۔ ۱ھ (ص۵)

مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے۔

ابن جریج قال اخبرنی عمران بن موسی ان یزید بن خصیفة اخبرھم عن السائب بن یزید عن عمر قال جمع الناس علی ابی بن کعب و تمیم الداری فکان ابی یوتر بثلاث رکعات۔

(ج ٤ ص ۲٦۰ ح ۷۷۲۷)

ترجمہ: ابن جریج نے کہا کہ مجھے عمران بن موسیٰ نے خبر دی کہ انہیں یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے خبر دی کہ حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع کیا چنانچہ ابی تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (ج ۴ صفحہ ۲٦۰ حدیث ۷۷۲۷)

اس اثر سے پتہ چلا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تین وتر پڑھا کرتے تھے تو اب اکیس۲۱ رکعات سے تین وتر نکال لیے جائیں تو باقی اٹھارہ رکعات رہ جاتی ہیں نہ کہ بیس۲۰ رکعات نیز داود بن قیس عن محمد بن یوسف کا یہ بیان حضرت یزید بن خصیفہ کے بیان کے خلاف ہے کیونکہ وہ بیس۲۰ رکعات اور وتر بیان کرتے ہیں ہاں اگر وتر ایک رکعت سمجھا جائے تو پھر اکیس۲۱ کے عدد میں تو دونوں کے بیان آپس میں موافق ہوں گے اور تراویح کی تعداد بھی دونوں کے بیان کے مطابق بیس بنے گی مگر اس میں دو چیزیں ہیں۔

(۱) حنفی ایک رکعت وتر کے قائل نہیں۔

(۲) فکان ابی یوتر بثلاث کی مخالفت۔

پھر داود بن قیس عن محمد بن یوسف کا بیان اکیس رکعات حضرت سائب

Scanned with CamScanner

بن یزید کے تیسرے شاگرد حارث بن عبدالرحمان کے بیان تیئیس رکعات سے بھی متعارض ہے۔ یاد رہے کہ اثر فکان ابی یوتر بثلاث کی سند میں عمران بن موسیٰ راوی متکلم فیہ ہے مگر صاحب رسالہ کو یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین ہی پڑھا یا کرتے تھے جیسے کہ انہوں نے اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

تو خلاصہ کلام ہذا یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید کے دو شاگردوں محمد بن یوسف اور حارث بن عبدالرحمان کے بیان اکیس اور تیئیس ایک دوسرے کے خلاف ہیں رہے سائب بن یزید کے تیسرے شاگرد یزید بن خصیفہ تو ان کا بیان ہے بیس رکعات اور وتر جس میں اکیس اور تیئیس دونوں کا احتمال ہے اس لئے کہ وتر سے مراد ایک رکعت ہو تو اکیس رکعات اور وتر سے مراد تین رکعات ہوں تو تیئیس رکعات ان کا بیان بنے گا فتامل۔

نیز یہ تینوں بیان اکیس رکعات تیئیس رکعات اور بیس رکعات اور وتر امام مالک اور عبدالعزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب کے بیان گیارہ رکعات اور محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف عن السائب کے بیان تیرہ رکعات کے خلاف ہیں مزید بریں یہ کہ بیس اکیس اور تیئیس کا عدد اس عدد رکعات تراویح کے بھی خلاف ہے جو عدد رکعات تراویح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سے قطعی الصحۃ مرفوع حدیث سے ثابت ہے کما تقدم۔

صاحب رسالہ فرماتے ہیں "حضرت سائب بن یزید کے اس اثر کو پانچ ثقہ راویوں الخ (ص۸) داود بن قیس۔ محمد بن جعفر۔ امام مالک۔ ابن ابی ذئب حارث بن عبدالرحمان (حاشیہ ص۸) اگر پانچ سے مراد حضرت سائب کے شاگرد ہوں تو نفس الامر میں ایسا نہیں کیونکہ مؤلف صاحب نے پہلے حضرت سائب کے صرف تین شاگرد ذکر کیے ہیں محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمٰن اور اگر پانچ ثقہ راویوں سے حضرت سائب سے نیچے کے راوی مراد ہوں عام اس

Scanned with CamScanner

سے کہ وہ حضرت سائب کے شاگرد ہوں جیسے حارث بن عبدالرحمان یا وہ ان کے شاگرد نہ ہوں جیسے داؤد بن قیس وغیرہ تو پھر حضرت سائب کے شاگردوں محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ اور دیگر رواۃ کو شمار فرما کر تعداد پانچ سے زیادہ بتانا چاہیے تھی جیساکہ آگے انہوں نے حضرت سائب کے علاوہ کوئی بارہ رواۃ کا تعارف پیش فرمایا ہے۔

وثانیاً : مصنف رسالہ تحریر فرماتے ہیں :

عبد الرزاق بن همام ثقة حافظ مصنف شهير۔

تقریب انتهی (ص۹)

عبدالرزاق بن ہمام ثقہ حافظ مشہور مصنف ہیں۔ تقریب اھ (ص۹)

مگر تقریب ہی میں شہیر کے بعد یہ بھی لکھا ہے عمی فی آخر عمرہٖ فتغیر وکان یتشیع (اپنی آخر عمر میں نابینا ہو گئے جس کی وجہ سے ان میں تغیر آگیا اور وہ تشیع رکھتے تھے)۔ لہذا مؤلف صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مذکورہ بالا عبارت بھی نقل کرتے اور ثابت فرماتے کہ عبدالرزاق کی جو روایات رسالہ میں درج کی گئی ہیں وہ ان کے تغیر واختلاط سے قبل کی بیان کردہ ہیں کیونکہ متغیر ومختلط راوی کی حالِ تغیر واختلاط میں بیان کردہ روایات ضعیف ہوتی ہیں اور ایسے ہی وہ روایات جن کا اختلاط سے قبل بیان ہونا نامعلوم ہو کما لا یخفی علی من له ممارسة باصول الحدیث

پھر اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا بھی تو ہر ذی علم پر لازم ہے نا۔

وثالثاً : صاحب رسالہ لکھتے ہیں :

محمد بن جعفر ثقة ۔ تقریب بحوالہ آثار السنن (ص۵) مؤلف صاحب نے محمد بن جعفر سے نیچے والے راویوں کا تعارف پیش نہیں فرمایا جن میں ابوعثمان بصری بھی ہیں اور ان سے متعلق صاحب آثار السنن ہی تعلیق میں فرماتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

واما ابو عثمان البصری فهو عمرو بن عبد اللہ البصری روی عنه ابو طاهر الفقیه وابو محمد الحسن بن علی بن المؤمل وغیرهما ولم اقف علی من ترجم له (ص۲۵) (رہا ابو عثمان بصری تو وہ عمرو بن عبد اللہ بصری ہے اس سے ابو طاہر فقیہ اور ابو محمد حسن بن علی بن مؤمل وغیرہ نے روایت کی ہے اور مجھے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہو سکا جس نے اس کے حالات بیان کیے ہوں) تو انصاف کا تقاضا تھا کہ جیسے محمد بن جعفر کی توثیق بحوالہ آثار السنن نقل کی گئی ہے ویسے ہی ابو عثمان بصری کی بابت صاحب آثار السنن کا قول نقل کیا جاتا۔ نیز محمد بن جعفر سے نیچے والے راویوں میں ابو طاہر فقیہ بھی ہیں صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں:

واستدل لهم ایضا بما روی البیهقی فی سننه عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر وصحح اسناده السبکی فی شرح المنهاج وعلی القاری فی شرح الموطا قلت: فی سنده ابو عثمان البصری واسمه عمرو ابن عبد الله قال النیموی فی تعلیق آثار السنن لم اقف علی من ترجم له۔ انتهی قلت لم اقف انا ایضا علی ترجمته مع التفحص الکثیر وایضا فی سنده ابو طاهر الفقیه شیخ البیهقی ولم اقف علی من وثقه فمن ادعی صحة هذا الاثر فعلیه ان یثبت کون کل منهما ثقة قابلا للاحتجاج فان قلت: قال التاج السبکی فی الطبقات الکبری فی ترجمة ابی بکر الفقیه: کان امام المحدثین والفقهاء فی زمانه وکان شیخا ادیبا عارفا بالعربیة له ید طولی فی معرفة الشروط وصنف فیه کتابا۔ انتهی، فهذا یدل علی کونه ثقة۔ قلت: لا دلالة فی هذا علی کونه ثقة قابلا للاحتجاج نعم فیه دلالة علی کونه جلیل القدر فی الحدیث والفقه والعربیة ومعرفة

الشروط ولكن لا يلزم من هذا كونه ثقة فالحاصل ان في صحة هذا الاثر نظرا وكلاما ومع هذا فهو معارض بما رواه سعيد بن منصور في سننه قال حدثنا عبد العزيز بن محمد حدثني محمد ابن يوسف سمعت السائب بن يزيد يقول كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب باحدى عشرة ركعة قال الحافظ جلال الدين السيوطي في رسالته المصابيح في صلاة التراويح بعد ذكر هذا الاثر : اسناده في غاية الصحة - انتهى، وايضا هو معارض بما رواه محمد بن نصر في قيام الليل من طريق محمد بن اسحاق حدثني محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد قال كنا نصلي في زمن عمر في رمضان ثلاث عشرة ركعة وهو ايضا معارض بما رواه مالك في الموطا عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابي بن كعب وتميما الداري ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة - فاثر السائب بن يزيد الذي رواه البيهقي لا يصلح للاحتجاج فان قلت : روى البيهقي هذا الاثر بسند اخر بلفظ قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة وصحح اسناده النووي وغيره قلت : في اسناده ابو عبد الله ابن فنجويه الدينوري ولم اقف على ترجمته فمن يدعي صحة هذا الاثر فعليه ان يثبت كونه ثقة قابلا للاحتجاج واما قول النيموي : هو من كبار المحدثين في زمانه لا يسئل عن مثله. فمما لا يلتفت اليه فان مجرد كونه من كبار المحدثين لا يستلزم كونه ثقة - اھ (ج ۲ ص ۷۵) -

ترجمہ : اور ان کے لیے اس روایت کے ساتھ بھی استدلال کیا گیا ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں سائب بن یزید سے بیان کی ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے

زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے اور اس کی اسناد کو سبکی نے شرح منہاج میں اور علی قاری نے موطا کی شرح میں صحیح قرار دیا ہے —— میں کہتا ہوں —— اس کی سند میں ابوعثمان بصری ہے جس کا نام عمرو بن عبداللہ ہے نیموی نے آثار السنن کی تعلیق میں کہا ہے کہ "مجھے اس شخص کا علم نہیں ہوا جس نے اس کا ترجمہ (احوال) ذکر کیا ہو"۔ نیموی کی بات ختم ہوئی۔ میں کہتا ہوں —— کہ مجھے بھی بہت زیادہ جستجو کے باوجود اس کے حالات نہیں مل سکے۔ اور اس کی سند میں ابوطاہر فقیہ بھی ہے جو بیہقی کا شیخ ہے اور مجھے کسی کا علم نہیں ہو سکا جس نے اسے ثقہ قرار دیا ہو۔ تو جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ یہ ثابت کرے کہ یہ دونوں راوی ثقہ تھے اور اس قابل تھے کہ ان سے دلیل پکڑی جا سکے۔ اگر تم کہو کہ تاج سبکی نے طبقات کبریٰ میں ابوبکر فقیہ کے ترجمہ میں کہا ہے کہ "وہ اپنے زمانہ میں محدثین اور فقہاء کے امام تھے اور وہ ادیب اور عربیت کے ماہر شیخ تھے۔ انہیں شروط کی معرفت میں بڑی مہارت حاصل تھی اور انہوں نے اس کے بارے میں کتاب بھی لکھی۔ سبکی کا کلام ختم ہوا۔ تو یہ کلام دلیل ہے کہ وہ ثقہ تھے تو میں کہوں گا۔ اس عبارت میں ان کے ثقہ اور قابل حجت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہاں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث فقہ عربیت اور معرفت شروط میں مرتبۂ جلیلہ رکھتے تھے لیکن اس سے ان کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا حاصل یہ ہے کہ اس اثر کے صحیح ہونے میں نظر اور کلام ہے۔ علاوہ ازیں یہ اثر اس روایت کے بھی خلاف ہے جو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بیان کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبدالعزیز بن محمد نے بیان کیا اس نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے بیان کیا کہ میں نے سائب بن یزید سے سنا کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں گیارہ رکعت قیام کرتے تھے۔ حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ "المصابیح فی صلوٰۃ التراویح" میں یہ اثر ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اس کی اسناد انتہائی درجہ کی صحیح" ہے۔ اور یہ اثر اس روایت کے بھی خلاف ہے جو محمد بن نصر نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کی سند سے ذکر کی ہے کہ وہ

کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ ۱۳ رکعت پڑھتے تھے اور اس روایت کے بھی خلاف ہے جو مالکؒ نے موطا میں محمد بن یوسف سے بیان کی ہے کہ انہوں نے سائب بن یزید سے روایت بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ بن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے لیے گیارہ رکعت قیام کریں۔ اس لیے سائب بن یزید کا وہ اثر جو بیہقی نے روایت کیا ہے حجت پکڑنے کے لائق نہیں ہے اگر تم کہو کہ بیہقی نے یہ اثر ایک دوسری سند کے ساتھ ان لفظوں میں ذکر کیا ہے کہ لوگ عمر بن خطاب کے عہد میں ماہ رمضان میں بیس رکعت قیام کرتے تھے اور اس کی سند کو نووی وغیرہ نے صحیح کہا ہے تو میں کہوں گا کہ اس کی سند میں ابو عبد اللہ بن فنجویہ دینوری ہے اور مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے اس لیے جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ رہ گیا نیموی کا یہ قول کہ "کہ وہ اپنے زمانہ کے کبار محدثین سے ہے" اس کے ثقہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ تحفۃ الاحوذی کی عبارت ختم ہوئی (ج ۲ صفحہ ۷۵)

اقول اولاً: ان کلام صاحب التحفة هذا يرشدك الى ان كون رجل حافظا او محدثا لا يستدعي كونه ثقة فضلا عن ان يكون عين كونه ثقة و مراد قاله وسياتي هذا مزيدا ان شاء الله المجيد۔

وثانيا: ان قوله: بما روى البيهقي في سننه الخ فيه ان السند الذي فيه ابو طاهر الفقيه وابو عثمان البصري ليس في نسخة السنن الكبرى للبيهقي التي بيدي وقد قال صاحب آثار السنن في التعليق: وقد اخرجه البيهقي في معرفة السنن والآثار بوجه آخر عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال اخبرنا ابو طاهر الفقيه قال اخبرنا ابو عثمان البصري الخ۔

Scanned with CamScanner

وثالثا : ان قول صاحب التحفة فى ابى عبد الله بن فنجويه الدينورى فيه ان صاحب شذرات الذهب قال : وكان ثقة ـ لكن ليس كتاب شذرات الذهب عندى حتى انظر فيه نعم ظاهر العبارة التى نقلها صاحب الرسالة يدل على ان صاحب شذرات الذهب وثقه من عند نفسه ولم ينقل توثيقه عن احد من ائمة الجرح والتعديل ـ وقد رأيت ان صاحب التحفة لم يعتمد على تصحيح امثال النووى والسبكى وعلى القارى مع علمه بان التصحيح يتضمن التوثيق ـ وانما قلت : ظاهر العبارة الخ لان المصنفين قد اكثروا النقل عمن تقدمهم وكون العبارة التى نقلها صاحب الرسالة منقولة فى الشذرات عمن تقدم مصنفه ليس ببعيد فتدبر ـ ورابعا : ان اثر السائب من طريق الدينورى معارض بما رواه عبد العزيز بن محمد ومحمد بن اسحاق ومالك عن محمد بن يوسف عن السائب وقد تقدم فى كلام صاحب التحفة التخريج والالفاظ وقال الحافظ فى الفتح بعد ذكر اثر محمد بن اسحاق حدثنى محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد قال كنا نصلى زمن عمر فى رمضان ثلاث عشرة ركعة : قال ابن اسحاق : وهذا اثبت ما سمعت فى ذالك وهو موافق لحديث عائشة فى صلاة النبى صلى الله عليه وسلم من الليل ـ اهـ وخامسا : انه نقل عن مالك انه قال فى ابن اسحاق : كذاب دجال ـ لكن قال صاحب السعاية من الحنفية : والحق فى ابن اسحاق التوثيق ـ وقال ابن الهمام فى فتح القدير : وهو راى توثيق ابن اسحاق) الحق الابلج وما نقل عن مالك لايثبت ولو صح لم يقبله اهل العلم ـ الى ان قال ـ وان مالكا رجع عن الكلام فى ابن اسحاق واصطلح معه وبعث اليه هدية (تحفة الاحوذى ج ١ ص ٢١) وقال الحافظ فى التقريب

صدوق یدلس ورمی بالتشیع والقدر۔ اھ قلت: ان محمد بن اسحاق قد صرح بالتحدیث فی ھذا الاثر فلا یضر تدلیسہ ھھنا وسادسا: ان قول صاحب التحفۃ: فی ترجمۃ ابی بکر الفقیہ۔ فیہ انہ لعل الصحیح والصواب فی ترجمۃ ابی طاھر الفقیہ۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اولاً — صاحب تحفہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے حافظ یا محدث ہونے کا یہ تقاضا بھی نہیں کہ وہ ثقہ ہے بجایہ کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بالکل ثقہ ہے یا یہ لفظ ثقہ کے ہم معنی ہیں اس کی مزید تحقیق آگے آئے گی انشاء اللہ۔

ثانیاً: یہ قول کہ بما روی البیہقی فی سننہ الخ اس میں یہ چیز قابل غور ہے کہ جس سند میں ابو طاہر الفقیہ اور ابو عثمان بصری ہیں وہ سنن کبری بیہقی کے اس نسخہ میں موجود نہیں جو اس وقت میرے پاس ہے اور آثار السنن کے مصنف نے تعلیق میں کہا ہے کہ "اس روایت کو بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں ایک دوسری سند کے ساتھ یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید کے حوالہ سے ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو طاہر الفقیہ نے خبر دی اس نے کہا ہمیں ابو عثمان بصری نے خبر دی الخ

ثالثاً: یہ کہ صاحب تحفہ نے ابو عبداللہ بن فنجویہ دینوری کے متعلق جو فرمایا ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ صاحب شذرات الذہب نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ ثقہ تھا۔ لیکن میرے پاس کتاب شذرات الذہب نہیں ہے کہ میں یہ عبارت دیکھ سکوں ہاں رسالہ "بیس رکعت تراویح الخ" کے مصنف نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ صاحب شذرات الذہب نے اسے اپنی طرف سے ثقہ کہا ہے اور جرح و تعدیل کے ائمہ میں سے کسی امام سے ان کی توثیق نقل نہیں کی حالانکہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ صاحب تحفہ نے نووی، سبکی اور علی قاری جیسے بزرگوں کے صحیح کہنے پر بھی اعتماد نہیں کیا۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے۔ اور میں نے جو یہ کہا ہے کہ عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے تو اس کی

Scanned with CamScanner

وجہ یہ ہے کہ مصنفین نے اپنے سے پہلے لوگوں کے بہت سی چیزیں نقل کی ہیں اس لیے صاحب رسالہ نے جس عبارت کا شذرات سے حوالہ دیا ہے ہو سکتا ہے مصنف نے کسی پہلے شخص سے نقل کی ہو۔ فتدبر۔

رابعاً: دینوری کے طریق سے سائب کا یہ اثر اس روایت سے معارض ہے جو عبدالعزیز بن محمد، محمد بن اسحاق اور مالک نے محمد بن یوسف سے اور انہوں نے سائب سے بیان کی ہے صاحب تحفۃ الاحوذی کے کلام میں اس کی تخریج اور الفاظ گزر چکے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر نے محمد بن اسحاق سے ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ حافظ نے یہ اثر نقل کرنے کے بعد ذکر فرمایا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں میں نے جتنی روایات سنی ہیں یہ ان سب سے زیادہ پختہ ہے اور یہ حضرت عائشہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل کی روایت کے بھی مطابق ہے انتہی

خامساً۔ امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کے متعلق کہا وہ کذاب دجال ہے۔ لیکن حنفیہ میں سے صاحب سعایہ نے کہا ہے کہ ابن اسحاق کے متعلق حق یہی ہے کہ وہ ثقہ ہے اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ یہی (ابن اسحاق کا ثقہ ہونا) بات نمایاں طور پر حق ہے اور امام مالک سے جو بات نقل کی گئی ہے وہ ثابت نہیں اور اگر ثابت ہو تو بھی اہل علم نے اسے قبول نہیں کیا ——— ابن ہمام نے سلسلہ کلام کے آخر میں فرمایا کہ ——— مالک نے ابن اسحاق کے متعلق کلام سے رجوع کر لیا، ان کے ساتھ صلح کر لی اور ان کی طرف ہدیہ بھی بھیجا۔ (تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۱) اور حافظ نے تقریب میں کہا صدوق (سچا) ہے تدلیس کرتا ہے اور اس پر تشیع اور قدر کا الزام لگایا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس اثر میں محمد ابن اسحاق نے حدثنا کی تصریح کی ہے اس لیے اس مقام پر ان کے مدلس ہونے کا کوئی نقصان نہیں۔

Scanned with CamScanner

سادساً۔ صاحب تحفہ کے قول ـــ "ابو بکر فقیہ کے ترجمہ ہیں" ـــ کے متعلق یہ ہے کہ شاید صحیح لفظ دراصل ـــ ابو طاہر فقیہ ـــ ہے

وسابعاً: صاحب رسالہ فرماتے ہیں "امام مالک دنیائے اسلام کی شہرہ آفاق ہستی ہیں جو محتاج تعارف نہیں (ص۹) یہ درست مگر امام مالک رحمۃ اللہ سے نیچے کے راوی تو محتاج تعارف ہیں جو رسالہ میں سرے سے درج ہی نہیں کئے گئے چنانچہ صاحب رسالہ کے الفاظ ملاحظ فرمائیں وہ لکھتے ہیں "یزید بن خصیفہ کے دوسرے شاگرد امام مالک کی روایت یہ ہے:

"مالك حدثني يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر۔ رواه البيهقي في المعرفة (ص۶)

مالک کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے بیان کیا ہم عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ اسے بیہقی نے المعرفۃ میں بیان کیا ص۶)"

امام بیہقی کی کتاب معرفۃ الآثار والسنن بندہ کے پاس نہیں کہ امام مالک سے نیچے کی سند اس سے دیکھی جاسکے سردست اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ روایت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کی بذات خود بیان کردہ گیارہ رکعت والی روایت کے خلاف ہے نیز محمد بن اسحاق کی بیان کردہ تیرہ رکعت والی روایت سے متعارض ہے اور عبدالعزیز بن محمد در یحیٰی بن سعید کی ذکر کردہ گیارہ رکعت والی روایت کے منافی ہے۔ صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالکؒ سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں نوازش ہو گی۔

وخامساً: رہے حارث بن عبدالرحمان تو ان کی روایت کو حافظ عبدالرزاق نے مصنف میں بیان کیا ہے بایں طور،

عبدالرزاق عن الاسلمی عن الحارث بن عبدالرحمان ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال : کنا ننصرف من القیام علی عهد عمر و قد دنا فرد ع الفجر وکان القیام علی عهد عمر ثلاثة وعشرین رکعة. (ج ۴ ص ۲۶۱-۲۶۲ ح ۷۷۳۳)

عبدالرزاق نے اسلمی سے روایت کی انہوں نے حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام سے اس وقت فارغ ہوکر لوٹتے تھے جب فجر کا آغاز قریب ہوتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام تیئس رکعت تھا

(جلد ۴ صفحہ ۲۶۱ حدیث ۷۷۳۳)

عبدالرزاق سے متعلق کلام تو گذر چکا مزید تفصیل کے لیے میزان ملاحظہ فرمائیں

اس روایت کے دوسرے راوی اسلمی کی بابت تقریب میں ہے صدوق یہم اور میزان میں ہے قال ابو حاتم مابہ باس ولیس بذاك القوی وقال البخاری مات سنة سبع وتسعین ومائة ووثقه بعضهم وهو اوثق من ابیه وقال معاویة بن صالح عن ابن معین لیس بثقة وقال ابو حاتم لیس بقوی لا یعجبنی حدیثه وروی احمد بن ابی خیثمة عن ابن معین ثقة فلا کتبت عنه[1]

ترجمہ : ابو حاتم نے کہا کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور وہ ویسا قوی نہیں اور

---

[1] یہ اقوال تو عبدالرزاق کے استاذ محمد بن فلیح بن سلیمان اسلمی یا خزاعی سے متعلق تھے عبدالرزاق کے اساتذہ میں ایک اسلمی اور بھی ہیں جن کا نام ہے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں " متروك من السابعة " اور حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں " احد العلماء الضعفاء " نیز نقل فرماتے ہیں " یحیی ابن سعید یقول : سالت مالكا عنه اكان ثقة فی الحدیث " (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Scanned with CamScanner

بخاری نے کہا کہ وہ ایک سو ستانوے ہجری میں فوت ہوا اور بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اور وہ اپنے باپ سے زیادہ قوی ہے۔ اور معاویہ بن صالح نے ابن معین سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں مجھے اس کی حدیث پسند نہیں اور احمد بن ابی خیثمہ نے ابن معین سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے میں نے اس سے حدیثیں لکھی ہیں۔

اور اس روایت کے تیسرے راوی حارث بن عبدالرحمان سے متعلق تقریب میں لکھا ہے: صدوق یھم (صدوق ہے اسے وہم ہو جاتا ہے) اور میزان میں ہے عن المقبری ثقہ وقال ابو حاتم لیس بالقوی روی عنہ الدراوردی مناکیر وقال ابن حزم ضعیف وقال ابو زرعۃ لیس بہ باس (مقبری سے ہے کہ وہ ثقہ ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں اس سے دراوردی نے کئی منکر حدیثیں روایت کی ہیں اور ابن حزم نے کہا ضعیف ہے اور ابو زرعہ نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں) پھر یہ روایت حضرت سائب بن یزید کی گیارہ، تیرہ اور اکیس رکعات والی روایات کے خلاف بھی ہے۔

دسادسا: صاحب رسالہ فرماتے ہیں "محدثین کی اصطلاح میں محدث حافظ اور ثقہ ہم معنی الفاظ ہیں دراصل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں جیسا کہ ائمہ حدیث کے اقوال بالا سے صاف صاف ظاہر ہے" (حاشیہ صـ۱)

(بقیہ حاشیہ) نقال، لا ولا فی دینہ۔ یحیی القطان یقول: ابراھیم بن ابی یحیی کذاب۔ احمد بن حنبل قال: ترکوا حدیثہ قدری معتزلی یروی احادیث لیس لہا اصل۔ وقال البخاری: ترکہ ابن المبارک والناس۔ وعن ابن معین: کذاب رافضی۔ علی بن المدینی یقول: کذاب۔ وقال النسائی والدارقطنی وغیرھما: متروک۔ انتھی ملتقطا داما توثیق البعض ایاہ فقد ردہ الذھبی بقولہ: الجرح مقدم۔

الفاظ ثلاثہ محدّث، حافظ اور ثقہ نہ تو لغت میں ہم معنی ہیں اور نہ ہی محدّثین کی اصطلاح میں۔ لغت میں ان الفاظ کا ہم معنی نہ ہونا تو واضح امر ہے رہی یہ بات کہ یہ تینوں الفاظ اصطلاح محدّثین میں بھی ہم معنی نہیں تو یہ معلوم کرنے کے لیے آپ تذکرۃ الحفاظ پڑھیں اس میں آپ کو رجال کی ایک جماعت ملے گی جو سب کے سب ہیں تو حافظ اور محدّث مگر ثقہ نہیں بلکہ ضعیف ہیں سردست بطور نمونہ آپ صرف واقدی، شاذکونی، علی بن زید بن جدعان اور ابن لہیعہ کے تراجم ہی پڑھ ڈالیے۔ پہلے ان چاروں حافظوں اور محدّثوں کے تراجم تذکرۃ الحفاظ سے ملاحظہ فرمائیں۔

اگر اس سے بندہ کی بات پر یقین نہ آئے تو پھر تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر ان چاروں حافظوں اور محدّثوں کے حالات میزان الاعتدال سے مطالعہ فرمائیں تو ان شاء اللہ العزیز آپ کو یقین ہو جائے گا کہ کسی راوی کا حافظ اور محدّث ہونا اس کے ثقہ ہونے کے ہم معنی نہیں۔ نہ تو اصطلاح محدّثین میں اور نہ ہی لغت میں۔

رہا صاحب رسالہ کا قول "جیسا کہ ائمہ حدیث کے اقوال بالا سے صاف صاف ظاہر ہے" تو اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ ائمہ حدیث کے اقوال بالا سے جو چیز صاف صاف ظاہر ہے وہ تو صرف اس قدر ہے کہ ایک راوی کو ایک امام حدیث نے حافظ کہا دوسرے نے اسے محدّث قرار دیا اور تیسرے نے اسے ثقہ بنایا تو اتنی بات سے حافظ، محدّث اور ثقہ کے اصطلاح محدّثین میں ہم معنی ہونے کا صاف صاف ظاہر ہونا تو کجا؟ اس سے تو ان تینوں الفاظ کے اصطلاح محدّثین میں ہم معنی ہونے کی طرف خفی سا اشارہ بھی نہیں ہوتا فتدبر۔

وسابعاً: صاحب رسالہ رقمطراز ہیں۔

"عبارات بالا سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جن راویوں پر اس اثر کا مدار ہے وہ سب کے سب قابل اعتماد ہیں اور ان پر کسی محدّث نے ادنیٰ کلام نہیں کیا۔" (ص۱۱)

Scanned with CamScanner

پہلے اس اثر کے بعض رواۃ پر کلام کرنے والے محدثین کے نام اور ان کے کلام گذر چکے ہیں اور اگر کوئی صاحب متکلم فیہ رجال کو سرے سے ذکر ہی نہ فرمائیں یا ذکر تو فرمائیں مگر ان پر ائمہ حدیث کے کلام کو نقل نہ کریں تو اس صنیع سے یہ بات ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ جن راویوں پر اس اثر کا مدار ہے وہ سب کے سب الخ نیز آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی اثر کے رواۃ ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اثر بھی صحیح ہو کیونکہ صحت اثر و حدیث کے لیے علت و شذوذ کا انتفاء بھی شرط ہے کما لا یخفی علی من لہ بصر بالاصول و بصیرۃ فی القواعد (جیسا کہ اس شخص سے پوشیدہ نہیں جو اصول پر نگاہ رکھتا ہے اور جسے قواعد کے بارہ میں بصیرت حاصل ہے)

دثامناً: صاحب رسالہ تحریر فرماتے ہیں:

"دیکھیے امام نووی، علامہ سبکی، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن عبدالبر اور علامہ سیوطی جیسے جلیل القدر وسیع العلم حضرات اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دیتے ہیں۔" (ص ۱۲)

اولاً: جب امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جیسے اجل القدر اوسع العلم مجتہد حضرات کی تحقیق سے اختلاف کی گنجائش ہے تو صاحب رسالہ کے قول میں مذکور پانچ جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق سے اختلاف کی تو بطریق اولیٰ گنجائش ہے بشرطیکہ اختلاف برائے اختلاف نہ ہو دلائل پر مبنی ہو اور حنفی بزرگوں کو ان پانچ جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق سے کئی ایک مسائل میں فی الواقع اختلاف ہے بھی۔ اسی مسئلہ کو لے لیجئے حافظ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں تصریح فرمائی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اسی طرح دیگر بزرگ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمضان المبارک میں صلاۃ اللیل کی تعداد رکعات ثابت ہے جیسا کہ ان کی تحریرات سے واضح ہے مگر صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

"کسی صحابی کی صحیح السند روایت میں تعداد مذکور نہیں" ص۴

درست کہ ان کا یہ قول رمضان میں تین رات والی مرفوع روایات سے متعلق ہے مگر ضروری نہیں کہ ان روایات میں تعداد مذکور ہو تو ثابت ورنہ غیر ثابت کیونکہ دوسری مستند صحیح روایات میں مذکور تعداد بھی تو آخر ثابت ہی سمجھی جائے گی پھر ان تین رات والی مرفوع روایات میں سے ایک میں تعداد رکعات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کو کئی ایک محدثین نے صحیح بھی کہا ہے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

وثانیا: ان جلیل القدر وسیع العلم حضرات سے امام نووی اور علامہ سبکی کے جو قول صاحب رسالہ نے اوپر نقل کئے ہیں ان میں حضرت سائب بن یزید کے بیس رکعات والے اثر کی بابت یہ نہیں کہا "ھذا الاثر صحیح" کہ یہ اثر صحیح ہے بلکہ ان کے تو الفاظ ہیں "بالاسناد الصحیح" اور اصول حدیث میں درک رکھنے والے جانتے ہیں کہ کسی روایت کی سند صحیح ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ روایت بھی صحیح ہو ہاں روایت واثر کے صحیح ہونے سے اس کی سند کا صحیح ہونا لازم آتا ہے پھر اس اثر کی سند پر کلام پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

وثالثا: حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبدالبر کے جو قول صاحب رسالہ نے اوپر نقل کیے ہیں ان میں یہ نہیں ہے کہ حضرت سائب بن یزید کا بیس رکعات والا اثر صحیح ہے یا اس کی سند صحیح ہے بلکہ ان کے اقوال کا ماحصل تو صرف اتنا ہے کہ بیس رکعات حضرت ابی بن کعب سے ثابت اور صحیح ہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سائب کا اثر ان کے نزدیک صحیح ہو کیونکہ حضرت ابی بن کعب رض کے عمل کو کئی ایک رواۃ نے بیان کیا ہے لہذا صاحب رسالہ کو حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبدالبر کے وہ اقوال نقل کرنے چاہییں جن میں حضرت سائب کے بیس رکعات والے اثر کو واشگاف یا بجز واشگاف الفاظ میں صحیح کہا گیا ہو۔

ورابعا: لطف یہ کہ صاحب رسالہ نے امام سیوطی کا پہلے کوئی قول تصحیح سرے سے نقل ہی نہیں کیا مگر انہوں نے ان کو اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار

Scanned with CamScanner

دینے والوں (بزعم خویش) کی فہرست میں شامل کرلیا ہے البتہ حاشیہ میں ہے "مصابیح للسیوطی" (ص۱۴) جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے علامہ سبکی کا قول "بالاسناد الصحیح الخ" امام سیوطی کے رسالہ مصابیح سے نقل کیا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیوطی کو سبکی کے قول سے اختلاف ہے یا اتفاق۔ پھر اتفاق کی صورت میں بھی سند کے صحیح ہونے سے اثر کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا اس لیے صاحب رسالہ کو چاہیے تھا کہ پہلے امام سیوطی کا وہ قول نقل فرماتے جس میں حضرت سائب کے بیس رکعات والے اثر کی تصحیح ہوتی پھر وہ ان کو صحیح قرار دینے والوں کی فہرست میں شامل فرماتے تو پتہ چلتا کہ مؤلف رسالہ نے جو اقوال اوپر نقل فرمائے ہیں ان میں حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن عبد البر، امام نووی، علامہ سبکی اور علامہ سیوطی میں سے کسی ایک نے بھی حضرت سائب کے بیس رکعات والے اثر کو واشگاف یا غیر واشگاف الفاظ میں صحیح قرار نہیں دیا۔ لہذا صاحب رسالہ ان بزرگوں کے وہ اقوال نقل فرمائیں جن میں انہوں نے اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے پھر وہ یہ دعویٰ کریں کہ ان بزرگوں نے اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے فتفکر۔ ہاں علامہ سیوطی حضرت سائب کے گیارہ رکعات والے اثر سے متعلق فرماتے ہیں "اسنادہ فی غایۃ الصحۃ" حوالہ گذر چکا ہے۔

وخامسا: اگر جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق پر ہی اعتماد کرنا ہے تو پھر امام محمد، حافظ زیلعی، علامہ سیوطی، علامہ زرقانی، علامہ ابن ہمام علامہ عینی، ملا علی قاری علامہ عبدالحی لکھنوی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شوق نیموی صاحب آثار السنن اور علامہ بیہقی رحمہم اللہ بھی تو آخر جلیل القدر وسیع العلم حضرات ہی ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع قطعی الصحۃ حدیث ما کان یزید الخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکعات تراویح کا عدد ثابت کرتے ہیں تو ان جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی اس مبنی برحق

تحقیق پر بھی اعتماد کرنا چاہیے اور صاف صاف واشگاف الفاظ میں اعلان فرمانا چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رکعات تراویح کی تعداد صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سب طریقوں سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے) پھر علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین (تم میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو) میں علیکم بسنتی بھی ہے اور خود خلفاء راشدین بھی سنت نبویہ کے تبع ہیں رہتے تھے۔ کما لا یخفی علی من طالع سیرھم (جیساکہ اس شخص سے مخفی نہیں جو ان کی سیرت کا مطالعہ کرے)

وسادسا : حضرت المؤلف نے شروع رسالہ میں جمہور امت کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس مقام پر بھی حافظ ابن عبد البر کا قول : وھو قول جمھور العلماء نقل فرماتے ہیں تو اس سلسلہ میں صرف اتنی گذارش ہے کہ کئی ایک مسائل میں حنفی بزرگوں نے جمہور امت اور جمہور علماء کی مخالفت کی ہے اہل علم کو وہ مسائل معلوم ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں پھر جمہوریت شرعی دلائل سے کوئی دلیل بھی نہیں کہ اس پر زور دیا جائے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کسی صحابی، تابعی، امام، ولی، جمہور امت اور جمہور علماء کے اس پر عمل یا اس کے مطابق فتویٰ کا محتاج نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا عمل اس سے افضل ہے۔

۳ - عہد فاروقی سے متعلق دیگر آثار

اولا : یزید بن رومان، یحیی بن سعید انصاری، محمد بن کعب قرظی اور عبد العزیز بن رفیع کے چاروں آثار مرسل و منقطع ہیں چنانچہ صاحب آثار السنن نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے اور صاحب رسالہ کو بھی اس کا اعتراف ہے جیساکہ

Scanned with CamScanner

حاشیہ صے ۱۳ سے ظاہر ہے مگر ان کا خیال ہے کہ مرسل ومنقطع حجت ہوتا ہے احناف کے ہاں تو مطلقا اور شوافع کے ہاں مقیداً۔ لیکن انہیں یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ مرسل کی حجیت میں یہ اختلاف تب ہے جب ارسال کرنے والا راوی صرف ثقات سے ارسال کرنے کا التزام کرے اور اگر ارسال کرنے والا راوی ثقات وغیر ثقات ہمہ قسم کے رواۃ سے ارسال کرتا ہو تو پھر اس کا مرسل بالاتفاق حجت نہیں چنانچہ اصول حدیث کی داخل نصاب متداول ومشہور کتاب شرح نخبہ میں ہے فان عرف من عادۃ التابعی انہ لا یرسل الا عن ثقۃ فذھب جمھور المحدثین الی التوقف لبقاء الاحتمال وھو احد قولی احمد وثانیھما وھو قول المالکیین والکوفیین یقبل مطلقا وقال الشافعی یقبل ان اعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر یباین الطریق الاولی مسندا کان او مرسلا لیترجح احتمال کون المحذوف ثقۃ فی نفس الامر ونقل ابوبکر الرازی من الحنفیۃ وابوالولید الباجی من المالکیۃ ان الراوی اذا کان یرسل عن الثقات وغیرھم لا یقبل مرسلہ اتفاقا۔ اھ (صـ۵۵)

ترجمہ: اگر تابعی کی عادت مشہور ہو کہ وہ صرف ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہے تو جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اسے قبول کرنے میں توقف کیا جائے گا کیونکہ احتمال باقی ہے اور احمد کا ایک قول بھی یہی ہے اور امام احمد کا دوسرا قول جو مالکیوں اور کوفیوں کا قول بھی ہے یہ ہے کہ اسے مطلقا قبول کیا جائے گا اور شافعی نے فرمایا کہ اسے اس صورت میں قبول کیا جائے گا جب اسے کسی دوسری سند کے ساتھ جو پہلی سند سے بالکل جدا ہو آنے کی وجہ سے قوت حاصل ہو جائے۔ خواہ وہ مسند ہو یا مرسل۔ تاکہ یہ احتمال راجح ہو جائے کہ جو شخص حذف کیا گیا ہے حقیقت میں ثقہ تھا۔ اور حنفیہ میں سے ابوبکر رازی نے اور مالکیہ میں سے ابوالولید باجی نے نقل فرمایا ہے کہ راوی اگر ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے روایت کرتا ہو

تو اس کی مرسل بالاتفاق قبول نہیں ہوگی۔ اھ ص۵۵

اس لیے اصول حدیث کے لحاظ سے صاحب رسالہ کا فرض ہے کہ پہلے وہ یہ ثابت فرمائیں کہ مذکورہ بالا چاروں راوی صرف ثقات سے ارسال کرنے کے عادی تھے پھر ان کے ان آثار سے استدلال فرمائیں کیونکہ "اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے" یاد رہے کہ اگر بالفرض صاحب رسالہ ثابت کر دیں کہ واقعی یہ چاروں رواۃ صرف ثقات سے ارسال کے عادی تھے تو پھر بھی ان کی مرسل جمہور محدثین کے مذہب کے مطابق حجت نہیں البتہ مالکی اور کوفی مطلقاً اور شافعی اعتضاد کی صورت میں اس کی حجیت کے قائل ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر کی عبارت سے صاف صاف ظاہر ہے۔

وثانیاً: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

"یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید اور محمد بن کعب قرظی تینوں بزرگ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں جس قدر مدنی لوگ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف تھے اس قدر دوسرے لوگ واقف نہیں محمد بن کعب کی ولادت سنہ ۴۰ھ میں ہوئی ان کو کثیر التعداد صحابہ کی ملاقات کا شرف نصیب ہوا انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا اور سالہا سال صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز تراویح ادا کرنے کا موقع ملا" (ص۱۴)

صاحب رسالہ کے اس بیان سے پتہ چلا کہ عبدالعزیز بن رفیع چونکہ مدینہ منورہ کے رہنے والے نہیں تھے اس لیے وہ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست اتنے واقف نہ تھے جتنے کہ یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید انصاری اور محمد بن کعب قرظی واقف تھے۔ پھر عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور سرے سے پایا ہی نہیں تو عہد فاروقی کی بابت ان کا بیان کیسے حجت ہو سکتا ہے جب تک وہ عہد فاروقی کے کسی بزرگ کا حوالہ نہ دیں جب کہ عبدالعزیز بن رفیع کے اثر میں حضرت عمر فاروق اور ان کے دور کا ذکر تک نہیں ان کا بیان صرف اس

Scanned with CamScanner

قدر ہے۔ کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ (ابی بن کعب رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھاتے تھے) اُدھر صاحب آثار السنن فرماتے ہیں:

"عبد العزیز بن رفیع لم یدرك ابی بن کعب" (تعلیق ص۲۶)
"عبد العزیز بن رفیع نے ابی بن کعب کو نہیں پایا۔"

رہے مدنی لوگ تو وہ واقعی عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست خوب واقف ہیں بشرطیکہ وہ عہد فاروقی میں ہوش سنبھالنے کے بعد زندگی گذار چکے ہوں جیسے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جو بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور ان ہی کا بیان ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ اور ایک روایت میں ہے تیرہ رکعات پڑھتے تھے اور ان کے بیس والے اثر پر کلام گذر چکا ہے لیکن وہ مدنی لوگ جن کی ولادت ہی عہد فاروقی کے ختم ہو جانے کے بعد ہوئی ہو ان کا عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست خوب واقف ہونا تو درکنار وہ تو سرے سے عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف ہی نہیں محمد بن کعب قرظی مدنی کو ہی لے لیجئے جن کا سنہ ولادت حضرت المصنف نے بذات خود چالیس ہجری بتایا ہے جب کہ عہد فاروقی تئیس ہجری کے آخری ماہ ذوالحجہ میں ختم ہو چکا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

"عمر بن الخطاب القرشی العدوی امیر المؤمنین مشھور جم المناقب استشھد فی ذی الحجۃ سنۃ ثلاث وعشرین وولی الخلافۃ عشر سنین ونصفا۔" اھ (تقریب)

عمر بن خطاب قرشی عدوی امیر المومنین مشہور ہیں بہت زیادہ مناقب رکھنے والے ہیں ذی الحجۃ ۲۳ھ میں شہید کیے گئے اور

Scanned with CamScanner

ساڑھے دس سال خلافت فرمائی۔"

تو آپ غور فرمائیں حضرت محمد بن کعب قرظی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تقریباً سترہ سال بعد پیدا ہوئے تو وہ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست کیسے واقف ہو سکتے ہیں قرظی صاحب کا عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف ہونا تو دور کی بات ہے وہ تو عہد عثمانی اور عہد علوی کے حالات سے بھی براہ راست واقف نہیں۔ محمد بن کعب قرظی کی طرح یزید بن رومان اور یحیی بن سعید انصاری بھی عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست آگاہ نہیں کیونکہ یہ سب کے سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں چنانچہ محمد بن کعب قرظی کا حضرت عمر کی شہادت کے بعد پیدا ہونا تو گذر چکا اور دوسرے دونوں بزرگوں کے بارے میں صاحب آثار السنن تعلیق میں فرماتے ہیں۔

"یزید بن رومان لم یدرک عمر بن الخطاب" (یزید بن رومان نے عمر بن خطاب کو نہیں پایا) اس کے بعد تعلیق کی عبارت موقع و محل کے مناسب نہیں وللتفصیل موضع آخر نیز فرماتے ہیں:

"رجاله ثقات لكن يحيى بن سعيد الانصاری لم يدرك عمر رضی الله عنه" (ص۲۰۵، ص۲۰۶)

"اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یحیی بن سعید انصاری نے عمرؓ کو نہیں پایا۔"

یہ درست کہ حضرت قرظی کو کثیر التعداد صحابہ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا مگر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے تو ملاقات کا شرف نصیب نہیں ہوا کیونکہ حضرت عمرؓ کا سنہ شہادت تیئس ۲۳ ہجری اور حضرت عثمانؓ کا سنہ شہادت پینتیس ۳۵ ہجری ہے جب کہ حضرت قرظی کا سنہ ولادت ہی چالیس ہجری ہے اور یہ چالیس ہجری ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سنہ شہادت ہے چنانچہ تقریب ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

"مات فی رمضان سنة اربعین" تو اگر حضرت قرظی رمضان کے

Scanned with CamScanner

بعد تولد ہوئے تو پھر ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی شرف ملاقات نصیب نہ ہوا اور اگر ان کی ولادت محرم میں تصور کی جائے تو پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت کوئی نو ماہ کے بچے تھے تو اس تقریر سے حضرت قرظی کے عہد علوی کے حالات سے براہ راست واقف ہونے اور نہ ہونے پر بھی روشنی پڑتی ہے فتدبر۔

صاحب رسالہ کا قول "جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا" میں یہ چیز ہے کہ ان کے اس واقعہ کو دیکھنے اور اس واقعہ کے اثبات کی بنیاد اس سے قبل رسالہ میں مذکور آثار پر ہی رکھی گئی ہے جن کا حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے پھر مصنف صاحب کا قول "اور سالہا سال صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز تراویح ادا کرنے کا موقع ملا" بھی محل نظر ہے کیونکہ سالہا سال صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز تراویح ادا کرنے کا موقع ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے فی الواقع اس کیفیت سے نماز تراویح ادا بھی کی ہو اور اگر حضرت المؤلف اپنے اس قول کا مطلب یہ سمجھتے ہوں کہ فی الواقع حضرت القرظی نے مذکورہ کیفیت سے نماز تراویح ادا کی تو اس کی دلیل درکار ہے جو رسالہ میں پیش نہیں کی گئی رہا حضرت القرظی کا عہد صحابہ میں مدینہ منورہ کے اندر رہنا تو وہ مدعا مذکور کی دلیل نہیں کیونکہ اسلاف کے اندر ایسے لوگ رہے ہیں جو نماز تراویح کو مسجد کے بجائے گھر میں، با جماعت کے بجائے اکیلے اور اول اللیل کے بجائے آخر اللیل پڑھنے کو افضل جانتے تھے تحقیق کے لیے قیام اللیل للمروزی، شرح معانی الآثار للطحاوی اور سنن کبری للبیہقی ملاحظہ فرمائیں لہذا محمد بن کعب قرظی کے مسجد نبوی میں با جماعت نماز تراویح پڑھنے کی کوئی دلیل پیش کی جائے۔

وثالثا: صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

"عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان ۔ الی قولہ ۔ فصلی بھم عشرین رکعۃ"۔

"ابی بن کعب سے روایت ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے انہیں حکم دیا کہ رمضان میں رات کو لوگوں کو نماز پڑھائیں ——— چنانچہ انہوں نے انہیں بیس رکعات پڑھائیں" (حاشیہ ص۱۴ میں ہے کنز العمال بحوالہ آثار السنن)

مگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نیچے کی سند بیان نہیں کی گئی نہ ہی زیر تبصرہ رسالہ میں اور نہ ہی آثار السنن میں اصل کتاب بندہ کے پاس نہیں لہذا حضرت المؤلف کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ اس اثر کی سند بیان فرمائیں۔

ورابعا: مصنف صاحب لکھتے ہیں:

"عن عمر انہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم فی شھر رمضان عشرین رکعۃ"

"حضرت عمرؓ سے ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا چنانچہ وہ انہیں ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے"۔

(حاشیہ میں ہے مؤطا، مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی بحوالہ تلخیص الجیر ص۱۱۹ المصابیح للسیوطی ص)

اس اثر کو مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور سنن کبری للبیہقی میں تلاش کیا گیا مگر ان سہ کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پایا لیکن کہا جا سکتا ہے کہ مؤطا کے نسخے سولہ ہیں متداول نسخہ میں نہیں تو کیا بات ہوئی البتہ اس میں اتنی بات ہے کہ جب مؤطا کا حوالہ بلا قید نسخہ دیا جائے تو اس سے مؤطا امام مالک کا متداول نسخہ ہی مراد ہوتا ہے۔ باقی مصنف ابن ابی شیبہ بندہ کے پاس نہیں اس لیے مؤلف صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی بھی سند بیان فرمادیں۔

وخامسا: صاحب رسالہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"سبل السلام ص۳۴ جلد اول مانصہ وساق روایات ان عمرا مرابیا وتمیما الداری یقوما ن بالناس بعشرین رکعۃ (ص۱۵)"

"سبل السلام ص۳۳ جلد اول کے لفظ یہ ہیں — اور کئی روایات ذکر کیں کہ عمرؓ نے ابیؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے ساتھ بیس رکعت قیام کریں۔"

ان روایات سے کچھ تو حضرت المؤلف بحوالہ بیہقی پہلے بیان فرما چکے ہیں اور کچھ آئندہ بیان فرمائیں گے اور اگر ان کے علاوہ کوئی روایت ہو تو اس کی نشاندہی فرمائیں نیز سبل السلام کی اس عبارت پر تفصیلی گفتگو آگے آ رہی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق صاحب رسالہ نے جتنے آثار اس سے قبل بیان فرمائے ان کا تو حال بیان کر دیا گیا ہے۔

وسادسا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت وہ عمل ہو گا جس پر انہوں نے مواظبت فرمائی ہو یا کم از کم اس کے کرنے کا انہوں نے حکم صادر فرمایا ہو بیس رکعات نماز تراویح پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مواظبت تو درکنار ان سے تو ساری زندگی میں ایک دفعہ بھی بیس تراویح پڑھنا ثابت نہیں اور نہ ہی بیس کا حکم دینا ان سے ثابت ہے صاحب رسالہ نے جس قدر آثار ذکر کیے ہیں ان میں صرف یہی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے پھر ایسے آثار کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اتنے سے لوگوں کے عہد فاروقی میں بیس پڑھنے سے بشرط ثبوت، بیس رکعات کا حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا ہاں ایک اثر میں یہ لفظ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکیس رکعات پر جمع کیا اور ایک دوسرے اثر میں یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک آدمی کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا مگر ان دونوں میں کلام ہے جو پہلے گذر چکا ہے البتہ اکیس رکعات والے اثر پر آئندہ بھی کلام ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ تو بیس رکعات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دینا نادرست ہے کیونکہ نہ تو بیس پر انہوں نے مواظبت فرمائی بلکہ

ایک دفعہ بھی بیس پڑھنا ان سے ثابت نہیں اور نہ ہی بیس پڑھنے کا انہوں نے کسی کو حکم دیا البتہ گیارہ رکعات ان کی سنت ہے کیونکہ گیارہ پڑھانے کا انہوں نے حکم دیا تھا نیز گیارہ اور تیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین پھر عہد فاروقی میں لوگ گیارہ اور تیرہ پڑھتے بھی رہے۔

دسواں: صاحب رسالہ کا بیان ہے:

"زیر غور آثار کے چند طریقے صحیح لذاتہ ہیں پھر کثرت طرق کی تائید نے ان کی صحت میں کئی گنا اضافہ کر دیا" الخ (ص ۱۵)

ان آثار کے جونسے طریقے صحیح لذاتہ ہیں ان کی نشاندہی فرما دی جائے تاکہ دیکھا جا سکے آیا وہ صحیح بھی ہیں یا غیر صحیح رہے طرق کثیرہ تو ان کا حال پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

۴۔ ایک لطیف اشارے کی حقیقت

صاحب رسالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو قیام رمضان میں ایک امام کی اقتدا پر جمع کرنے کا واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: "نعمت البدعۃ ھذہ" (یہ اچھی بدعت (نئی چیز) ہے ابھی موجود ہے بعدہ لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ محدثین کے نزدیک یہ بدعت کا لفظ تین باتوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ ایک قاری کی اقتدا میں اجتماع

۲۔ عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی۔

۳۔ بیس رکعت کی پابندی۔

اب یہ استدلال ہر ذی فہم پر واضح ہے کہ مذکورہ بالا روایات نے محدثین کو ایسا یقین بخشا کہ ان کو لفظ بدعت کے مفہوم میں بیس کے عدد کو بھی شامل کرنا پڑا محدثین کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

Scanned with CamScanner

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یسن لھا الاجتماع ولا اول اللیل ولا کل لیلۃ ولا ھذا العدد" (قسطلانی)

"زادت الصحابۃ فی قیام رمضان ثلاثۃ اشیاء الاجتماع لہ فی مساجدھم وادائہ فی اول اللیل مع القول بان صلوٰۃ اخر اللیل مشھودۃ وعددہ عشرون رکعۃ" (حجۃ اللہ البالغۃ) ص ۱۸

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کے لیئے نہ اکٹھے ہوکر پڑھنے کا طریقہ مقرر فرمایا، نہ رات کے شروع میں پڑھنے کا، نہ ہر رات پڑھنے کا اور نہ ہی اس تعداد میں پڑھنے کا (قسطلانی) صحابہؓ نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ فرمایا اس کے لیے اپنی مساجد میں جمع ہونا اور یہ کہنے کے باوجود کہ "پچھلی رات کی نماز حضوری ہوتی ہے"۔ رات کی ابتداء میں نماز ادا کرنا، اور اس کی تعداد بیس رکعت ادا کرنا (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۸)

اولاً: تو جس قدر وہ روایات ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ "نعم البدعۃ ھذہ یا نعمت البدعۃ ھذہ" ذکر کیا گیا ہے ان میں عدد رکعات کا سرے سے ذکر ہی نہیں جب کہ صحیح اثر سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور صحیح اثر سے یہ بھی ثابت ہے کہ لوگ زمانۂ عمر میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے تیرہ والے اثر سے متعلق علامہ شوق صاحب نیموی فرماتے ہیں کہ ان بیس عشاء کے بعد والی دو رکعت شامل ہیں تو جب صورت حال یہ ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ "نعمت البدعۃ ھذہ" کے مفہوم میں بیس رکعات کو شامل کرنا درست نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس اثر کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

"عن عبد الرحمان بن عبد القاری انہ قال خرجت مع

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لیلۃ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط فقال عمر انی اری لو جمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلاۃ قارئھم قال نعم البدعۃ ھذہ والتی ینامون عنھا افضل من التی یقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ۔ اھ (صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث)

عبدالرحمان بن عبد قاری کہتے ہیں کہ ایک رات میں عمر بن خطاب کے ساتھ رمضان میں مسجد کی طرف نکلا تو لوگ گروہوں کی شکل میں جدا جدا نماز پڑھ رہے تھے کوئی اکیلا پڑھ رہا تھا کسی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے ایک جماعت شریک ہو کر پڑھ رہی تھی۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہے پھر آپ نے پختہ ارادہ کر لیا اور انہیں ابی بن کعب پر جمع فرما دیا پھر ایک اور رات میں آپ کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی اقتدار میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ نئی چیز اچھی ہے اور رات کے جس حصے میں یہ سوئے رہتے ہیں وہ اس حصے سے بہتر ہے جس میں قیام کرتے ہیں مراد پچھلی رات تھی اور لوگ رات کے شروع میں قیام کرتے تھے (صحیح بخاری و دیگر کتب احادیث)

یہ الفاظ صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو نعمت البدعۃ ھذہ سے تعبیر فرمایا جس کو انہوں نے پہلی آمد میں نہیں اور دوسری آمد میں دیکھا اور وہ چیز یہی تھی کہ لوگوں کا ایک قاری کی اقتدا میں قیام رمضان ادا

کرنا اس کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً قیام رمضان کا مسجد میں ہونا، اسے عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں ادا کرنا اور رکعات قیام رمضان کی تعداد تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلی آمد میں ہی ملاحظہ فرما چکے تھے مگر انہوں نے پہلی آمد میں "نعمت البدعۃ ھذہ" جملہ نہیں بولا بلکہ دوسری آمد میں یہ جملہ بولا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسری آمد میں کوئی نئی چیز نظر آئی جس کا انہوں نے پہلی آمد میں مشاہدہ نہیں فرمایا تھا اور اس نئی چیز کو دیکھنے پر ہی آپ نے نعمت البدعۃ ھذہ جملہ بولا لہٰذا نماز تراویح کی تعداد، نماز تراویح کے مسجد میں ادا کرنے، نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنے اور نماز تراویح کو رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ "نعم البدعۃ ھذہ" کے مفہوم میں شامل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں اس کے مفہوم میں تو صرف وہی چیز شامل ہے جس کو اس جملہ کے متکلم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بذات خود اپنے ان الفاظ میں واضح فرما رہے ہیں "انی اری لو جمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان امثل" (میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ پہلی آمد کے موقع پر ہیں آپ کے ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمان قاری فرماتے ہیں "ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلاۃ قارئھم" (پھر آپ نے پختہ ارادہ کر لیا اور انہیں ابی بن کعب پر جمع فرما دیا پھر ایک اور رات میں آپ کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے)، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نعم البدعۃ ھذہ" (یہ اچھی بدعت (نئی چیز) ہے) تو حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ دوسری آمد کے موقع پر ہے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک ہی قاری کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھ رہے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ مسجد میں قائم شدہ جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھتے تھے اور اس سے کسی شخص کے مدینہ منورہ میں رہنے سے اس کے مسجد نبوی میں باجماعت نماز تراویح ادا کرنے پر استدلال کرنے پر بھی روشنی پڑتی ہے پھر سبل السلام کی عبارت رجحہم ائمۃ

نقل کریں گے ان شاء اللہ) سے نعم البدعۃ ھذہ کا مفہوم سمجھنے میں کچھ نہ کچھ مدد ملتی ہے لہذا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ کئی آثار میں بیس رکعات کا بھی تو آخر ذکر ہے نا تو ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ ان آثار کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے اسے ملاحظہ فرمائیں سر دست اتنی بات یاد رکھیں کہ ان آثار سے جس ایک اثر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس کا حکم دینے کا ذکر ہے وہ تو بالکل ہی ناقابل اعتبار ہے کما تقدم اور جس ایک اثر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکیس پر جمع کرنے کا تذکرہ ہے اس میں داود بن قیس اکیس کہنے میں محمد بن یوسف کے شاگردوں امام مالک یحیی بن سعید القطان، محمد بن اسحاق اور عبدالعزیز بن محمد کی مخالفت کرتے ہیں اور باقی آثار کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات پڑھتے تھے پھر ان آثار میں یہ نہیں بتایا گیا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قاری پر جمع کرنے سے پہلے بیس پڑھتے یا بعد میں تو ظاہر ہے کہ ان حالات میں بیس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ نعم البدعۃ ہذہ کے مفہوم میں شامل کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی آمد میں یہ مقولہ نہیں بولا اور معلوم ہے کہ پہلی آمد کے موقع پر بھی لوگوں کی نماز تراویح عدد رکعات پر مشتمل تھی۔

یہ تو ظاہر ہو گیا کہ بیس رکعات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ مذکورہ کے مفہوم میں شامل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اب یہ بھی یاد رکھیئے کہ بیس رکعات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دینے کی بھی کوئی دلیل نہیں اگر مان بھی لیا جائے کہ کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بخلاف امر فاروقی بیس رکعات پڑھتے تھے تو اتنی بات سے بیس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا لما تقدم ورنہ لازم آئے گا کہ عہد فاروقی میں جس قدر جائز کام معرض وجود میں آئے خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کام خود نہ بھی کیے ہوں اور نہ

Scanned with CamScanner

ہی ان کے کرنے کا حکم دیا ہو بلکہ ان کے خلاف کا حکم ہی کیوں نہ دیا ہو ان سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دیا جائے۔

"واللازم کما تری دتس علی ھذا عھدی عثمان و علی رضی اللہ عنہما اذ القیام بعشرین رکعۃ والامربہ لم یثبتا عنہما ایضا۔

اور یہ لازم ایسا ہے جیسا تم دیکھ رہے ہو (یعنی بے بنیاد ہے) اور اسی پر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ کا قیاس کر لیجئے کیونکہ بیس رکعت قیام یا اس کا حکم دونوں چیزیں ان دو بزرگوں سے بھی ثابت نہیں۔"

نیز عہد فاروقی میں رات کے ابتدائی حصہ میں قیام رمضان کی ادائیگی کے بارہ میں علامہ زرقانی کی تحقیق ملاحظہ فرماتے جائیے۔ چنانچہ وہ شرح مؤطا میں لکھتے ہیں۔

"(وکان الناس یقومون اولہ) ثم جعلہ عمر فی اخر اللیل الخ (ج ۱ ص ۲۳۸)

"لوگ رات کے شروع میں قیام کرتے تھے پھر عمرؓ نے اسے رات کے آخر میں بدل دیا۔"

علامہ زرقانی کی اس بات کو صاحب التعلیق الممجد حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے نقل فرما کر سکوت اختیار کیا ہے تو اب قابل غور چیز یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کو اول اللیل سے بدلا کر آخر اللیل میں کر دیا تو پھر اسے (عشاء کے بعد) رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی کو ان کے مقولہ نعم البدعۃ ہذہ کے مفہوم میں کیسے داخل کیا جا سکتا ہے؟ نیز جملہ نعم البدعۃ ہذہ کے بارہ میں علامہ زرقانی کی تشریح سنیے وہ فرماتے ہیں:

"وھذا ای قولہ نعمت البدعۃ ھذہ) تصریح منہ بانہ

(ای تصریح من عمر بانه) اول من جمع الناس فی قیام رمضان علی امام واحد لان البدعة ما ابتدع بفعلها المبتدع ولم یتقدمه غیره فابتدعه عمر ـــــ الی قوله ـــــ فسماها بدعة لانه صلی الله علیه وسلم لم یسن الاجتماع لها ولا کانت فی زمان الصدیق"۔

"اور حضرت عمر کا فرمان کہ یہ اچھی بدعت (نئی چیز) ہے آپ کی طرف سے اس بات کی تصریح ہے کہ آپ (عمرؓ) پہلے آدمی ہیں جنہوں نے لوگوں کو قیام رمضان میں ایک امام پر جمع کر دیا کیونکہ بدعت (نئی چیز) وہ ہے جسے اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو اور مبتدع اس کا آغاز کرے چنانچہ عمر نے اس کی ابتداع کی ـــــ الی قولہ ـــــ پس اس کا نام بدعت رکھا کیونکہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اجتماع کا طریقہ مقرر فرمایا اور نہ ہی یہ صدیقؓ کے زمانہ میں تھی۔"

(حوالہ مذکور ہو چکا ہے) دیکھئے علامہ زرقانی نے نہ تو بیس رکعات کو بدعت کے مفہوم میں شامل کیا ہے اور نہ ہی عشار کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی کو۔

وثانیا: حجۃ اللہ کی جو عبارت صاحب رسالہ نے نقل فرمائی اس میں نہ تو ذکر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کا، نہ ان کے ایام کا، نہ ان کے ایام کے کام کا اور نہ ہی ان کے کلام (نعم البدعۃ ہذہ) کا اس عبارت میں تو صرف اتنی بات کہی گئی ہے کہ صحابہ نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ کیا الخ رہی یہ بات کہ قیام رمضان میں ان تین چیزوں کا اضافہ کرنے والے کون کون سے صحابہ تھے، یہ اضافہ انہوں نے کس دور میں کیا خلفاء اربعہ کے زمانے ختم ہونے کے بعد یا ان میں سے کسی ایک کے زمانہ میں پھر انہوں نے ان تین چیزوں کا اضافہ یکمشت کیا یا یکے بعد دیگرے حجۃ اللہ کی منقولہ بالا عبارت میں ان تینوں باتوں سے کسی ایک بات کا بھی بیان نہیں ہوا تو پھر اس عبارت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا بات نعم البدعۃ ہذہ کے مفہوم میں بیس رکعات وغیرہ کے داخل ہونے

Scanned with CamScanner

کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ جبکہ حجۃ اللہ کی محولہ بالا عبارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ نعم البدعۃ ہذہ کا مفہوم بیان کرنے کے سیاق میں وارد ہی نہیں" کما لا یخفی علی اھل العلم"۔

"جیساکہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں"۔

وثالثا: صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

"نیز علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ المصابیح میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں" (ص ۱۷)

حضرت المؤلف کی خدمت میں درخواست ہے کہ علامہ سیوطی کی وہ عبارت پیش فرمائیں جس میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ نعم البدعۃ ہذہ کے مفہوم میں بیس رکعات اور اس نماز کی رات کے ابتدائی حصہ میں ادائیگی کے شامل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ورابعا: صرف علامہ قسطلانی کی عبارت (جو واقع کے بھی خلاف ہے) دیکھ کر اس میں بیان کردہ چیز کو محدثین کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

اس لیے مصنف صاحب کا فرض ہے کہ وہ محدثین کے وہ اقوال پیش فرمائیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ میں لفظ بدعت کے تین باتوں پر مشتمل ہونے پر دلالت بھی کرتے ہوں ورنہ اپنے دعویٰ "محدثین کے نزدیک یہ بدعت کا لفظ تین باتوں پر مشتمل ہے" پر نظر ثانی فرمائیں۔

۵۔ مدینہ منورہ کا تعامل

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ کا تعامل تو گذشتہ روایات نے صاف بیان کردیا الخ (ص ۱۶)

سابقہ روایات میں جو کچھ بیان ہوا اس پر نیز خود ان روایات پر کلام گذر چکا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح کو خلفاء راشدین اربعہ میں

Scanned with CamScanner

سے کسی خلیفہ راشد کی سنت قرار دینا کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں اور نہ ہی بیس رکعات نماز تراویح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے البتہ گیارہ اور تیرہ رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا اور لوگ بھی ان کے دور میں گیارہ اور تیرہ رکعات پڑھتے تھے تو گیارہ اور تیرہ رکعات نماز تراویح اہل مدینہ منورہ کے بیس اکتالیس وغیرہ تعاملوں سے افضل اور اقدم تعامل ہے کیونکہ اسے سنت نبویہ ہو نے کا شرف حاصل ہے نیز گیارہ رکعات پر امر فاروقی اور عمل در عہد نبوی و عہد فاروقی کی مہر ثبت ہے۔

۶۔ کوفہ کا تعامل

حضرت المؤلف شہر کوفہ کی تاریخی حیثیت اجاگر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس تاریخی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا طرز عمل پہلے پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرز عمل بھی بیان کیا جائے گا روی محمد بن نصر اخبرنا یحیی بن یحیی اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وھب کان عبد اللہ بن مسعود یصلی بنا فی شھر رمضان قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ" (ص۱۷)

(محمد بن نصر نے روایت کیا ہے کہ ہمیں یحیی بن یحیی نے خبر دی کہ ہمیں حفص بن غیاث نے اعمش سے خبر دی انہوں نے زید بن وہب سے روایت کیا کہ ہمیں عبداللہ بن مسعود ماہ رمضان میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اعمش کہتے ہیں کہ وہ (عبداللہ) بیس رکعت پڑھاتے تھے)

اولاً: تو اس اثر کی سند میں حفص بن غیاث اور اعمش دو راوی ہیں۔

Scanned with CamScanner

حفص بن غیاث سے متعلق تقریب میں ہے "ثقة فقيه تغير حفظه قليلا في الآخر (ثقہ فقیہ ہے۔ آخر میں اس کا حافظہ تھوڑا سا متغیر ہو گیا تھا) اور اعمش کی بابت تقریب ہی میں تحریر ہے "ثقة حافظ عارف بالقراءة ورع لكنه يدلس" (ثقہ حافظ ہے قرات کا عالم ہے پرہیزگار آدمی ہے مگر تدلیس کرتا ہے) مدلس راوی کے بارے میں اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب وہ لفظ عن یا کسی ایسے صیغہ کے ساتھ روایت کرے جو سماع میں نص نہ ہو تو پھر اس کی روایت حجت نہیں ہوتی اور اس مقام پر حضرت اعمش اس اثر کو لفظ عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں تو اصول حدیث "جس کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے" کی رو سے یہ اثر قابل احتجاج واستدلال نہیں۔

وثانیا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں كان يصلي عشرين ركعة (وہ بیس رکعات پڑھتے تھے) اعمش کا بیان ہے جن کا سنہ ولادت اکسٹھ ہجری ہے صاحب تقریب فرماتے ہیں:

"وكان مولده اول احدى وستين سنة" (اس کی پیدائش ۶۱ھ اکسٹھ ہجری کے شروع میں ہوئی) اور بعض مؤرخین نے ان کا سنہ ولادت انسٹھ ۵۹ ہجری بتایا ہے جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سنہ وفات بتیس ۳۲ یا تینتیس ۳۳ ہجری ہے حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:

"ومات سنة اثنتين وثلاثين او في التي بعدها بالمدينة"

(آپ ۳۲ھ میں یا اس سے آئندہ سال مدینہ میں فوت ہوئے)

تو حضرت اعمش حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات سے کوئی ستائیس ۲۷ اٹھائیس ۲۸ برس بعد پیدا ہوئے تو ان کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے متعلق قول "كان يصلي عشرين ركعة" کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے؟ جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت اعمش مدلس بھی ہیں رہا مرسل کا حجت ہونا تو اس پر کلام پہلے گذر چکا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں تو صاحب رسالہ کے ذکر کردہ

اس اثر سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیس رکعات پڑھنا پڑھانا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ اثر اصول حدیث کے اعتبار سے قابل احتجاج ہی نہیں اور "اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے" تو صاحب رسالہ کا بیان "اس اثر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اسی تعامل پر کاربند تھے جو انہوں نے مدینہ منورہ میں رائج پایا تھا" محل نظر ہے کیونکہ اس اثر سے نہ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیس رکعات پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی ان کا بیس رکعات کو مدینہ منورہ میں رائج پانا۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

> "اعمش (راوی اثر) کے بیان کی پر زور تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب خاص خصوصاً شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ لوگوں کو (کوفہ میں) بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے جن کا ذکر آرہا ہے" (ص۱۸)

اولاً: تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے اہل کوفہ کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کی کوئی دلیل نہیں رہے۔ شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ کے آثار تو ان پر کلام اس مقام پر ہوگا جس مقام پر حضرت المؤلف ان کو بیان فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وثانیاً: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص کے بیس رکعات تراویح پڑھنے پڑھانے سے لازم نہیں آتا کہ خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس پڑھتے ہوں یا انہوں نے اپنے اصحاب خاص کو بیس پڑھنے پڑھانے کی تلقین کی اور ترغیب دی ہو کیونکہ واقع شاہد صدق ہے کہ شیخ اور شیخ کے اصحاب خاص کے عقائد، اعمال اور اقوال میں بسا اوقات اختلاف پایا جاتا ہے دور نہ جایئے صرف حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب خاص امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کے عقائد، اعمال اور اقوال کا

مطالعہ فرمالیجئے جابجا آپ کو حضرت الامام اور آپ کے اصحاب خاص کے مابین اختلاف ملے گا۔ تو اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیس پڑھنے پڑھانے سے حضرت اعمش کے بیان واثر کی توثری تائید بھی نہیں ہوتی پر زور تائید تو بعد کی بات ہے۔

صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ یہ دونوں بزرگ عہد نبوی میں مسلمان ہوئے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے ان کے تعامل سے سابقہ روایات کی مزید تائید ہوتی ہے اس لیے کہ وہ عہد فاروقی سے بھی خوب واقف تھے جس کے آغاز سے یہ سنت جاری ہوئی تھی" (ص ۱۸)

اولاً: ان دو بزرگوں کے تعامل (بشرط ثبوتہ وسیاتی مافیہ ان شاء اللہ تعالیٰ) سے سابقہ روایات کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ ایک یا دو بزرگ جس قدر نفلی عبادت کرتے ہوں ضروری نہیں کہ ان کے دور وزمانہ کے سب یا اکثر لوگ اتنی ہی نفلی عبادت کرتے ہوں بلکہ دوسروں کا ان سے کم وبیش نفلی عبادت کرنا بھی وقوع پذیر ہے پھر ان کے عہد فاروقی سے خوب واقف ہونے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جتنے بھی نوافل پڑھیں اتنے نوافل عہد فاروقی میں بھی پڑھے پڑھائے جاتے ہوں تو ان دو بزرگوں کے تعامل بیس رکعات (بشرط ثبوتہ) سے سابقہ روایات کی تائید بالکل نہیں ہوتی مزید تحقیق کے لیے کسی عالم کے کسی روایت واثر کے موافق یا مخالف عمل کرنے یا فتویٰ دینے پر ماہرین اصول حدیث کی تحریر کردہ مباحث کا مطالعہ فرمائیں۔ ہاں اگر ان دو بزرگوں میں سے کسی بزرگ کا کوئی ایک بیان بھی ہے کہ:

"عہد فاروقی میں بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات پڑھیں یا انہوں نے کسی کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات

پڑھتے تھے یا انہوں نے اپنے اصحاب خاص یا اصحاب عام میں سے کسی کو بیس پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا۔" تو وہ بیان نقل فرمائیں۔

وثانیا: صاحب رسالہ نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں بیس رکعات کو سنت قرار دیا ہے حالانکہ بیس رکعات نماز تراویح سنت نہیں نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نہ ہی خلفاء راشدین اربعہ میں سے کسی خلیفہ راشد کی تفصیل گذر چکی ہے۔

۷۔ عہد علوی سے متعلق آثار

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منہم رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی یوتر بہم" (ص۱۸)

(ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات نماز پڑھائے۔ سلمی نے کہا کہ حضرت علیؓ انہیں وتر پڑھایا کرتے تھے ص۱۸)

صاحب رسالہ نے آثار السنن اور اس کی تعلیق کے جا بجا حوالے دیئے ہیں اور آثار السنن کی تعلیق میں لکھا ہے۔

"ومنہا ما اخرجہ البیہقی فی سننہ اخبرنا ابو الحسین بن الفضل القطان ببغداد انا محمد بن احمد بن عیسی بن عبدك الرازی ثنا ابو عامر عمر بن تمیم ثنا احمد بن عبد اللہ بن یونس ثنا حماد بن شعیب عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمٰن السلمی الخ قلت: حماد بن شعیب ضعیف قال الذہبی فی المیزان ضعفہ ابن معین وغیرہ وقال یحیی مرۃ: لا یکتب حدیثہ

وقال البخاری : فیہ نظر. وقال النسائی : ضعیف. وقال ابن عدی: اکثر حدیثہ مما لا یتابع علیہ. اھ (ص۲۰)

ترجمہ: اور ان روایات سے ایک وہ ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے کہ ہمیں ابوالحسین بن الفطان نے بغداد میں بیان کیا کہ ہمیں محمد بن احمد بن عیسی بن عبدک رازی نے خبر دی کہ ہمیں ابو عامر عمر بن تمیم نے بیان کیا کہ ہمیں احمد بن عبداللہ بن یونس نے بیان کیا کہ ہمیں حماد بن شعیب نے عطار بن سائب سے بیان کیا کہ انہوں نے ابی عبدالرحمن سلمی سے روایت کیا الخ میں کہتا ہوں حماد ابن شعیب ضعیف ہے. ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ اسے ابن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا اور ایک مرتبہ یحیی نے کہا کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور بخاری نے کہا کہ اس میں نظر ہے اور نسائی نے کہا ضعیف ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی اکثر حدیثیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کی متابعت نہیں کرتا ص۲۰ (آثار السنن کی تعلیق ختم ہوئی)

اقول اولاً: ان قولہ : اخبرنا ابوالحسین الخ فیہ ان فی السنن الکبری اخبرنا ابوالحسن. الخ

وثانیاً: ان قولہ : انا محمد بن احمد الخ فیہ ان فی الاصل انبا محمد بن احمد الخ۔

وثالثاً: ان قولہ : ثنا ابوعامر عمر بن تمیم الخ فیہ ان فی کتاب البیہقی ثنا ابوعامر عمرو بن تمیم الخ وظنی الغالب ان کل ھذہ من الناسخ لا من صاحب التعلیق نفسہ رحمہ اللہ تعالی

ورابعاً: انک قد علمت من کلام صاحب التعلیق ان حماد ابن شعیب قد قال فیہ البخاری : فیہ نظر: وقال صاحب تحفۃ الاحوذی: قال الشیخ ابن الھمام فی التحریر : اذا قال البخاری للرجل : فیہ نظر. فحدیثہ لا یحتج بہ ولا یستشہد بہ ولا یصلح

للاعتبار. اھ فقد تبین لك ان اثر ابی عبد الرحمان السلمی المذکور
لا یحتج بہ ولا یستشهد بہ ولا یصلح هو للاعتبار لان فی سندہ
حماد بن شعیب وقد قال فیہ البخاری : فیہ نظر۔ واذا قال
البخاری فی رجل : فیہ نظر۔ فحدیثہ لا یحتج بہ الخ

ترجمہ : میں کہتا ہوں اولاً اس کے قول اخبرنا ابو الحسین میں قابل غور یہ
بات ہے کہ سنن کبریٰ میں ہے "اخبرنا ابو الحسن"۔

ثانیاً اس کے قول "انا محمد بن احمد" میں یہ نظر ہے کہ اصل کتاب میں ہے
"انبا محمد بن احمد"

ثالثاً اس کے قول "ثنا ابو عامر عمر بن تمیم" میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بیہقی کی
کتاب میں "ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم" میرا ظن غالب یہ ہے کہ یہ سب ناسخ کا کام ہے
خود صاحب تعلیق کا نہیں۔

رابعاً۔ صاحب تعلیق کے کلام سے تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ حماد بن شعیب
کے متعلق بخاری نے فرمایا ہے کہ اس میں نظر ہے۔ صاحب تحفۃ الاحوذی نے نقل
فرمایا ہے کہ شیخ ابن ہمام نے التحریر میں فرمایا ہے کہ "بخاری جب کسی شخص کے متعلق
فرمائیں کہ اس میں نظر ہے تو اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا نہ اس
سے استشہاد ہو سکتا ہے نہ ہی وہ اعتبار کے لائق ہوتی ہے۔" چنانچہ واضح ہو
گیا کہ ابو عبد الرحمان سلمی کے مذکور اثر سے نہ احتجاج ہو سکتا ہے نہ استشہاد اور
نہ ہی وہ اعتبار کے قابل ہے کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے اور بخاری
نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں نظر ہے اور جب بخاری کسی کے بارے میں
فرمائیں کہ اس میں نظر ہے تو اس کی حدیث سے احتجاج نہیں ہو سکتا الخ

حضرت المؤلف فرماتے ہیں :

"عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا ان یصلی بهم عشرین

Scanned with CamScanner

رکعۃ" (ص ۱۸)

(ابوالحسنا رسے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ انہیں بیس رکعات نماز پڑھائے)۔

سنن کبری بیہقی کے الفاظ یہ ہیں :

عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ وفی ھذا الاسناد ضعف واللہ اعلم۔ اھ (ج ۲ ص ۴۹۷)

(ابوالحسنار سے روایت ہے کہ علیؓ بن ابی طالب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات بیس رکعات پڑھائے اور اس سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم (ج ۲ ص ۴۹۷)

تو امام بیہقی نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ اس اسناد میں ضعف ہے۔ صاحب آثار السنن اس اثر کو باسند نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"قال العلامۃ ابن الترکمانی فی الجوھر النقی : الاظھر ان ضعفہ من جھۃ ابی سعد سعید بن المرزبان البقال فانہ متکلم فیہ فان کان کذالک فقد تابعہ علیہ غیرہ قال ابن ابی شیبۃ فی المصنف : ثنا وکیع عن الحسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا ان یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ وعمرو بن قیس اظنہ الملائی وثقہ احمد ویحیی وابوحاتم وابوزرعۃ وغیرھم واخرج لہ مسلم انتھی کلامہ قلت : مدار ھذا الاثر علی ابی الحسناء وھو لا یعرف اھ (ص ۲۰)

ترجمہ : علامہ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں فرمایا کہ " زیادہ تر یہی ظاہر ہے کہ اس کا ضعف ابوسعد سعید بن مرزبان بقال کی وجہ سے ہے کیونکہ اس میں

کلام کیا گیا ہے اگر یہی وجہ ہے تو اس حدیث میں اس کی دوسروں نے متابعت کی ہے۔
ابن ابی شیبہ نے المصنف میں فرمایا کہ ہمیں وکیع نے حسن بن صالح سے بیان کیا انہوں نے
عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسنار سے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ انہیں
رمضان میں بیس رکعت نماز پڑھائے۔ عمرو بن قیس کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ الملائی
ہے اسے احمد، یحیی، ابوحاتم اور ابوزرعۃ وغیرہ نے ثقہ قرار دیا اور مسلم نے اس کی
حدیث روایت کی ہے ابن ترکمانی کا کلام ختم ہوگیا۔ میں کہتا ہوں اس اثر کا مدار
ابوالحسنار پر ہے اور وہ معروف نہیں (مجہول ہے) صاحب تعلیق کا کلام ختم ہوا (ص۲۰۷)

ابوالحسنار سے متعلق صاحب تقریب فرماتے ہیں:

"قیل اسمہ الحسن وقیل الحسین مجھول من السابعۃ"

"بعض نے کہا کہ اس کا نام حسن ہے بعض نے حسین۔ مجہول ہے ساتویں طبقہ سے ہے"۔

اور حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

"حدث عنہ شریک لا یعرف لہ عن الحکم بن عتیبۃ"

"شریک نے اس سے حدیث بیان کی حکم بن عتیبہ سے اس کی روایت معروف نہیں ہے"

تو حافظ ذہبی حافظ ابن حجر اور صاحب آثار السنن علامہ نیموی نے ابوالحسنار
کو لا یعرف اور مجہول قرار دیا ہے مگر حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

"بعض اہل علم نے ابوالحسنار کو مجہول قرار دے کر اس روایت کو درجہ مقبولیت سے گرا دیا ہے لیکن یہ درست نہیں اس لیے کہ دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا لہذا جب ابوالحسنا سے ابوسعد بقال اور عمرو بن قیس دو شخص (اور شریک سمیت تین شخص) روایت کرتے ہیں تو وہ مجہول کہاں ہوا اس کو مستور کہئے اور مستور کی روایت ایک جماعت کے نزدیک بغیر کسی قید کے مقبول ہے

اور جمہور کے نزدیک اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے اور اس کا مؤید ابو عبد الرحمٰن سلمی موجود ہے جن کی روایت پہلے گذر چکی اور تیسری روایت جو درج ذیل ہے وہ بھی مؤید ہے بہر حال یہ تینوں روایات مجموعی حیثیت سے ایسی قوی دلیل ہے جس میں کلام کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی" (ص ۱۸، ص ۱۹)

اولاً: تو اصول حدیث کی داخل نصاب مشہور کتاب شرح نخبہ میں لکھا ہے:

"فان سمی الراوی وانفرد راو واحد بالروایة عنه فهو مجهول العین کالمبهم الا ان یوثقه غیر من انفرد عنه علی الاصح وکذا من انفرد عنه اذا کان متاهلا لذلك وان روی عنه اثنان فصاعدا ولم یوثق فهو مجهول الحال وهو المستور وقد قبل روایته جماعة بغیر قید وردها الجمهور والتحقیق ان روایة المستور ونحوه مما فیه الاحتمال لا یطلق القول بردها ولا بقبولها بل هی موقوفة الی استبانة حاله کما جزم به امام الحرمین ونحوه قول ابن الصلاح فیمن جرح بجرح غیر مفسر"۔ اھ (ص ۷۶)

"پھر اگر راوی کا نام لیا جائے اور اس سے روایت ... ایک راوی اکیلا ہو تو وہ مجہول العین ہے جس طرح مبہم ہے الا یہ کہ اس اکیلے راوی سے ... اسے ثقہ قرار دے۔ زیادہ صحیح مذہب یہی ہے۔ اسی طرح اگر وہ اکیلا راوی جو اس سے روایت کر رہا ہے اسے ثقہ قرار دے جب وہ اس کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور اگر اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور کسی نے اسے ثقہ قرار نہ دیا ہو تو وہ مجہول الحال ہے اور یہی مستور ہے۔ اور اس کی روایت ایک جماعت نے بلا قید قبول کی ہے اور جمہور اسے رد کرتے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ مستور اور اس جیسے شخص کی روایت میں احتمال ہوتا ہے نہ اسے مطلقاً قبول کرنے کی بات کہی جا سکتی ہے نہ رد کرنے کی بلکہ وہ اس کا اصل حال ظاہر ہونے تک موقوف رہے

گی جیسا کہ امام الحرمین نے جزم سے فرمایا ہے اور ابن صلاح کا قول بھی ایسے راوی کے متعلق یہی ہے جس پر جرح غیر مفسر کی گئی ہو۔" اھ ص۲۶

اور امام نووی لکھتے ہیں :

"ثم المجهول اقسام مجهول العدالة ظاهرا و باطنا و مجهولها باطنا مع وجودها ظاهرا وهو المستور والمجهول العين فاما الاول فالجمهور على انه لا يحتج به واما الآخران فاحتج بهما كثيرون من المحققين"۔ اھ (مقدمہ الامام النووی علی شرح مسلم ص۱۷)

"پھر مجہول کی کئی اقسام ہیں ۱۔ جو ظاہراً و باطناً مجہول العدالۃ ہو۔ ۲۔ جو باطناً مجہول العدالۃ ہو لیکن ظاہراس کی عدالت موجود ہو اور یہی مستور ہے۔ ۳۔ مجہول العین۔ پہلی قسم کے متعلق جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا رہ گئیں آخری دو قسمیں تو ان کے ساتھ بہت سے محققین نے دلیل پکڑی ہے اھ

اور حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں :

"الثامنة فی رواية المجهول وهو فی غرضنا ههنا اقسام احدها المجهول العدالة من حيث الظاهر والباطن جميعا وروايته غير مقبولة عند الجماهير على مانبهنا عليه اولا : الثانی المجهول الذی جهلت عدالته الباطنة وهو عدل فی الظاهر وهو المستور فهذا المجهول يحتج بروايته بعض من رد رواية الاول۔ الثالث المجهول العين وقد يقبل رواية المجهول العدالة من لا يقبل رواية المجهول العين ومن روى عنه عدلان وعيناه فقد ارتفعت عنه هذه الجهالة"۔ اھ بحذف منہ (علوم الحدیث ص۱۰۱)

فظهر من اقوال هؤلاء الاصوليين ان المستور اخص مطلقا من المجهول فكل مستور مجهول ولا عكس ای بعض المجهول مستور وبعضه ليس بمستور۔

Scanned with CamScanner

ترجمہ:۔ آٹھویں مجہول کی روایت کے بارے میں ہے۔ اس مقام پر ہمارے مقصود کے لحاظ سے اس کی چند اقسام ہیں ایک وہ جو ظاہر و باطن ہر لحاظ سے مجہول العدالۃ ہے اس کی روایت جمہور کے نزدیک غیر مقبول ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے آگاہ کر چکے ہیں۔ دوسرا وہ مجہول جس کی عدالت باطنہ معلوم نہیں اور ظاہر میں وہ عدل ہے اسی کا نام مستور بھی ہے۔ اس مجہول کی روایت کے ساتھ پہلی قسم کے مجہول کی روایت رد کرنے والوں میں سے بعض لوگ احتجاج کرتے ہیں۔ تیسرا وہ جو مجہول العین ہو۔ مجہول العدالۃ کی روایت بعض وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو مجہول العین کی روایت قبول نہیں کرتے جس شخص سے دو عادل راوی روایت کریں اور اسے متعین کر دیں اس سے یہ جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ ابن صلاح کا کلام (تھوڑے سے حذف کے ساتھ) ختم ہوا۔ علوم الحدیث ص۱۱۱

"ان علماء اصولِ حدیث کے اقوال سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مستور، مجہول سے اخص مطلق ہے چنانچہ ہر مستور مجہول ہے جب کہ اس کا الٹ نہیں یعنی بعض مجہول مستور ہیں اور بعض مستور نہیں۔"

تو اصول و قواعد کی رو سے حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر اور علامہ شوق صاحب نیموی کا اس اثر کے مرکزی راوی ابوالحسناء کو مجہول اور لا یعرف قرار دینا درست ہے کیونکہ ابوالحسناء کے مستور ہونے کا مصنف صاحب کو بھی اعتراف ہے اور مستور مجہول کی ایک قسم ہے جیسا کہ عبارات بالا سے صاف صاف ظاہر ہے اور قسم پر مقسم کا اطلاق صحیح ہے اور ہے بھی حقیقت مجاز نہیں بشرطیکہ تقسیم تقسیم الکلی الی الجزئیات کے باب سے ہو جیسا کہ اس مقام پر ہے کیونکہ مستور، مجہول العین اور مجہول العدالۃ فی الظاہر والباطن تینوں مجہول کی جزئیات ہیں توضیح کے لیے یوں سمجھئے کہ کسی شخص نے یا کسی طفل مکتب نے لفظ مستور کو کلمہ کہہ دیا تو آیا صاحب رسالہ اس پر قدغن لگائیں گے کہ صاحب یہ درست نہیں اس لیے کہ لفظ مستور تو اسم ہے پھر کیا وہ یہ بھی نقد فرمائیں گے۔

Scanned with CamScanner

کہ لفظ مستور کو تو اسم کہنا بھی درست نہیں کیونکہ وہ تو اسم مفعول ہے۔

وثانیا: کسی راوی سے دو شخصوں کے روایت کرنے سے جو مجہولیت ختم ہوتی ہے وہ مجہولیت عین ہے نہ کہ مجہولیتِ حال اور نہ ہی مطلق مجہولیت جیسا کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن صلاح کی مذکورہ بالا عبارات سے صاف صاف ظاہر ہے تو صاحب رسالہ نے اپنے قول "دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا الخ" نیز اپنے قول "تو وہ مجہول کہاں ہوا؟" میں جو الوالحسنار کے مجہول ہونے کی نفی فرمائی اس نفی سے اگر وہ ان کے مجہول الحال یا مطلق مجہول ہونے کی نفی مراد لیتے ہیں تو پھر وہ الوالحسنار کو مستور کہنے کے بھی مجاز نہیں کیونکہ مجہول الحال کی نفی تو مستور ہی کی نفی ہے اور مطلق مجہول کی نفی مستور کی نفی کو مستلزم ہے لہذا مصنف صاحب کے قول۔ ۱۔ "دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا" ۲۔ "تو وہ مجہول کہاں ہوا" محل نظر ہیں کیونکہ وہ خود تسلیم فرما رہے ہیں کہ اس کو مستور کہئے اور یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ہر مستور مجہول ہوتا ہے کیونکہ مستور مجہول کی قسم ہے تو اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ الوالحسنار کی جس مجہولیت کی صاحب رسالہ نے نفی فرمائی ہے حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر اور دیگر علماء نے اس مجہولیت کا اثبات نہیں فرمایا اور الوالحسنار کی جس مجہولیت کا ان بزرگوں نے اثبات فرمایا ہے صاحب رسالہ اس مجہولیت کی نفی نہیں فرما سکتے بلکہ اقرار مستوریت سے اس مجہولیت کا اعتراف فرما رہے ہیں کما لا یخفی (اس طرح یہ اور ان وجوہات کی بنا پر جو گذر چکیں)

وثالثا: شرح نخبہ کی عبارت اس بات پر دال ہے کہ مستور کی روایت ایک جماعت کے ہاں بغیر کسی قید کے مقبول اور جمہور کے نزدیک (بغیر کسی قید کے) مردود ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ دونوں قول ۱۔ مطلقاً مقبول اور ۲۔ مطلقاً مردود صحیح نہیں درست یہ ہے کہ جب تک مستور کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک توقف کیا جائے نیز حافظ ابن صلاح اور امام نووی نے مستور کی روایت کے مردود و مقبول

ہونے میں جو مذاہب ذکر فرمائے ہیں ان میں مؤید وغیر مؤید والی بات کسی میں بھی بیان نہیں فرمائی تو صاحب رسالہ اپنے بیان " اور جمہور کے نزدیک اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے " پر اصول حدیث سے کوئی حوالہ بیان فرمائیں ۔

ورابعا ، ابو عبد الرحمان سلمی کی روایت ابو الحسناء کی روایت کی مؤید تب ہو سکتی ہے جب کہ وہ خود صحیح یا حسن یا کم از کم شواہد و متابعات میں پیش کرنے کے قابل بھی تو ہو اور آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ابو عبد الرحمان سلمی کی روایت نہ تو صحیح ہے ، نہ ہی حسن اور نہ ہی شواہد و متابعات میں پیش ہونے کے قابل کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے جس سے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں " فیہ نظر " اور جس راوی کے متعلق امام بخاری یہ فیصلہ دیں اس کی روایت نہ تو قابل احتجاج ، نہ ہی قابل استشہاد اور نہ ہی قابل اعتبار ۔ یاد رہے کہ ضعاف کا باہم دیگر مل کر حسن لغیرہ بننے والا قاعدہ کلیہ نہیں جزئیہ ہے جو اس مقام پر جاری نہیں ہوتا ۔

وخامسا : تیسری روایت جو آگے آرہی ہے وہ بھی مؤید بننے کے قابل نہیں کیونکہ وہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ تو پتہ چلا کہ مصنف صاحب کا فرمان " بہر حال یہ تینوں روایات الخ " نقد و نظر سے خالی نہیں ۔

۸ ۔ کتاب " سبل السلام " کی غلطی

حضرت المؤلف لکھتے ہیں :

" وفی روایۃ ان علیا رضی اللہ عنہ کان یؤمھم بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث قال (البیھقی) وفیہ قوۃ " سبل السلام ۔ اھ (ص ۱۹)

" اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں بیس رکعت کے ساتھ امامت فرماتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے فرمایا (بیہقی نے) اور اس میں قوت ہے "

(سبل السلام)

Scanned with CamScanner

حضرت المؤلف سبل السلام کا ایک دفعہ پہلے بھی حوالہ دے چکے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں" نیز امام بیہقی نے اس سلسلہ میں متعدد روایات پیش کیں کہ حضرت عمر فاروق نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھایا کریں" (ص۱۵) سبل السلام ص۲۳۷ جلد اول مانصہ وساق روایات ان عمرا امرا بیا وتمیما الداری یقومان بالناس بعشرین رکعۃ (حاشیہ ص۱۵)

ترجمہ: سبل السلام ص۲۳۷ جلد اول کے صریح لفظ یہ ہیں" اور کئی روایات (بیہقی نے) ذکر کیں کہ عمرؓ نے ابیؓ اور تمیمؓ داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سبل السلام کی اس مقام سے متعلقہ عبارت بازتیب نقل کر دی جائے تاکہ بات سمجھنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے چنانچہ سبل السلام کی وہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔ واخرج البیھقی

۱۔ روایۃ ابن عباس من طریق ابی شیبۃ ثم قال انہ ضعیف وساق روایات

۲ ان عمرا امرا بیا وتمیما الداری یقومان بالناس بعشرین رکعۃ وفی روایۃ

۳۔ انھم کانوا یقومون فی زمن عمر بعشرین رکعۃ وفی روایۃ

۴۔ ان علیا رضی اللہ عنہ کان یؤمھم بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث قال وفیہ قوۃ۔ اھ

۱۔ **ترجمہ:** اور بیہقی نے ابن ابی شیبہ کے طریق سے ابن عباسؓ کی روایت بیان فرمائی پھر فرمایا کہ یہ ضعیف ہے۔

۲۔ اور کئی روایات ذکر فرمائیں کہ عمرؓ نے ابیؓ اور تمیمؓ داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں۔

۳۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت قیام

کرتے تھے۔

۴۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ لوگوں کو بیس رکعت کے ساتھ امامت فرماتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے (بیہقی نے) کہا اور اس میں قوت ہے۔ اھ فہم میں سہولت کی خاطر نمبر دے دیئے گئے ہیں اب سنن کبریٰ للبیہقی کی روایات ملاحظہ فرمائیں اور ان میں بھی نمبر ہم نے اپنی طرف سے دیئے ہیں تاکہ بات کو بآسانی سمجھا جا سکے نیز اسانید کو ہم نے ذکر نہیں کیا کیونکہ ان سے اکثر پر تو کلام گذر چکا اور باقی ایک آدھ پر کلام آرہا ہے اس مقام پر تو صرف سبل السلام کی غلطی واضح کرنا مقصود ہے بیہقی کی وہ روایات یہ ہیں۔

۱۔ عن ابن عباس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر۔ تفرد بہ ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی وھو ضعیف۔

۲۔ عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابی ابن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ وکان القاری الخ

۳۔ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا الخ

۴۔ انبا ابو الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ وروینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یؤمھم فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث وفی ذالک قوۃ۔ اھ

۱۔ ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ اس روایت کو بیان کرنے میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے۔

Scanned with CamScanner

۲۔ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ بن الخطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کے ساتھ گیارہ رکعت قیام کریں الخ

۳۔ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ لوگ عمر بن خطاب کے دور میں بیس رکعت قیام کرتے تھے الخ

۴ ابو الخصیب نے خبر دی اس نے کہا کہ ہمیں سوید بن غفلہ رمضان میں امامت کرواتے تھے پس پانچ ترویحات بیس رکعت نماز ادا فرماتے اور ہمیں شتیر بن شکل کے متعلق روایت کی گئی ہے اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں سے تھے کہ وہ انہیں رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور اس میں قوت ہے اھ

سبل السلام اور سنن کبری للبیھقی کی عبارات آپ کے سامنے ہیں نمبروار ان کا ایک دوسری سے موازنہ فرمائیے تو آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ سنن کبری کی نمبر ۲ میں مذکورہ عبارت "ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ" (کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں) کو سبل السلام کی نمبر ۲ میں مذکورہ عبارت "یقومان بالناس بعشرین رکعۃ" (کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں) سے بدل دیا گیا ہے اور ایسے ہی سنن کبری کی نمبر چار میں مذکورہ عبارت "انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث" (کہ وہ ماہ رمضان میں لوگوں میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کرانے اور تین وتر پڑھتے) میں انہ کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنا کر سبل السلام نمبر چار میں وہی عبارت یوں ذکر کی گئی ہے "ان علیا کان یؤمھم بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث" حالانکہ انہ کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ شتیر بن شکل ہیں جیسا کہ سنن کبری کی نمبر چار میں ذکر کردہ عبارت سے ظاہر ہے نیز صاحب آثار السنن کی تعلیق میں مذکورہ عبارت اسی پر دلالت کناں ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

"ومنها ما اخرجه ابوبكر بن ابي شيبة حدثنا وكيع عن سفيان عن ابي اسحاق عن عبد الله بن قيس عن شتير بن شكل انه كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. انتهى قلت عبد الله بن قيس لا يدري من هو تفرد عنه ابو اسحاق انتهى قلت وقال البيهقي في سننه وروينا عن شتير بن شكل وكان من اصحاب علي رضي الله عنه انه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث انتهى قلت البيهقي لم يذكر اسناده ولعله من طريق عبد الله بن قيس المذكور والله اعلم" اھ (صـ۴۷، صـ۴۸)

ترجمہ: اور ان روایات سے ایک وہ ہے جو ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر فرمائی ہے کہ ہمیں وکیع نے سفیان سے بیان کیا انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے عبد اللہ بن قیس سے انہوں نے شتیر بن شکل سے کہ وہ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھاتے تھے ابن ابی شیبہ کی عبارت ختم ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن قیس کے متعلق علم نہیں کہ وہ کون ہے ابو اسحاق اس سے روایت میں اکیلا ہے، انتہی میں کہتا ہوں اور بیہقی نے اپنی سنن میں فرمایا اور ہمیں شتیر بن شکل کے متعلق روایت کی گئی ہے اور وہ حضرت علی کے ساتھیوں سے تھے کہ وہ انہیں ماہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے اور تین وتر پڑھتے۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے اس کی سند ذکر نہیں کی شاید یہ بھی عبد اللہ بن قیس مذکور کے طریق سے ہی ہے واللہ اعلم اھ

صاحب آثار السنن کی یہ عبارت صاف صاف بتا رہی ہے کہ انہ کان یؤمھم الخ میں حضرت شتیر بن شکل کی امامت کا تذکرہ ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا لہذا انہ کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنانا غلط ہے۔

پھر نمبر چار ہی میں مذکور امام بیہقی کے الفاظ "وفی ذالک قوۃ" سبل السلام

Scanned with CamScanner

ہیں " وفیہ قوۃ " سے بدل دیئے گئے ہیں جس سے معنی بھی بدل گیا ہے کیونکہ " وفی ذالک قوۃ " سے تو حضرت سوید بن غفلہ کے اثر پر حکم لگانا مقصود ہے جیساکہ اسم اشارہ ذالک سے ظاہر ہے اور " وفیہ قوۃ " سے شتیر بن شکل کے اثر (جس کی امام بیہقی نے سند بھی ذکر نہیں فرمائی) باسبل السلام کے غلط بیان کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر حکم لگے گا پھر امام بیہقی کی عبارت " وفی ذالک قوۃ " اگر شتیر بن شکل کے اثر سے متعلق ہوتی تو صاحب آثار السنن سنن کبری سے شتیر بن شکل کا اثر نقل کرنے کے بعد اس عبارت کو ضرور نقل فرماتے تو صاحب رسالہ کی تقریر " اس اثر کے متعلق امام بیہقی نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ یہ اثر قوی ہے اب ان کے فیصلہ کے بعد اس روایت کی توثیق محتاج بیان نہیں " سبل السلام کے غلط بیان والفاظ پر ہی مبنی ہے فہو من باب بناء الفاسد علی الفاسد (یس " یہ فاسد کی بنیاد فاسد پر " کے قبیل سے ہے)

نیز آپ صاحب آثار السنن کی مذکورہ بالا عبارت بغور پڑھیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا آیا اس روایت کی توثیق محتاج بیان ہے یا نہیں یا وہ سرے سے ثابت ہی نہیں پھر جب صاحب رسالہ حضرت شتیر بن شکل کا اثر ذکر فرمائیں گے تو اس روایت پر مزید کلام ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ روایت اصل میں شتیر بن شکل والا اثر ہی تو ہے جو غلطی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ سبل السلام کی اس مقام سے متعلقہ عبارت میں تین اغلاط ہیں اور حضرت المؤلف نے ان تینوں اغلاط کو اپنے موقف کی تائید میں پیش فرمایا ہے۔ ادھر انہوں نے اپنے رسالہ میں سنن کبری للبیہقی کے حوالے بقید صفحات دیئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سنن کبری غالباً ان کے مطالعہ میں ہے پھر چونکہ وہ تحقیق کے در پے ہیں اس لیے انہوں نے سبل السلام میں دی گئی سنن کبری کی روایات کو اصل کتاب سے بھی ضرور دیکھا ہوگا تو اگر انہیں

سبل السلام کی مذکورہ عبارت کی ان تین اغلاط کا دوران مطالعہ علم ہوگیا تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ سبل السلام کی یہ عبارات اپنے رسالہ میں درج نہ فرماتے یا پھر ان کی اغلاط واضح فرماتے امید ہے کہ اگر ان کا اس رسالہ کو دوبارہ طبع کرانے کا پروگرام ہوا تو وہ ان اوران جیسے دیگر محل نظر مقامات کی اصلاح فرمادیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اگر ہو سکے تو اس قسم کے اہم مقامات کی فوراً اصلاح کردی جائے تنا مل۔

اتنی بات تو واضح ہوچکی کہ سبل السلام کی اس مقام سے متعلقہ عبارت میں تین اغلاط ہیں رہی یہ بات کہ یہ تین اغلاط صاحب سبل السلام سے خطأً سہواً سرزد ہوئیں یا بعض نساخ نے اپنے کسی مفاد کی خاطر عمداً سبل السلام کی اس عبارت میں ردوبدل کیا تو اس کی ضرور تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ مگر کسی دوسری فرصت میں۔

۹ - صاحب سبل السلام کی تحقیق درمسئلہ تراویح

اب چونکہ بات سبل السلام کی چل نکلی ہے اور صاحب رسالہ نے اس کتاب کے حوالے بھی دیئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہذا میں زیر بحث موضوع پر کی گئی تحقیق کو بھی سپرد قلم کردیا جائے چنانچہ صاحب سبل السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو رمضان میں نوافل پڑھانے سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"واعلم ان من اثبت صلاۃ التراویح وجعلها سنۃ فی قیام رمضان استدل بهذا الحدیث علی ذالک ولیس فیه دلیل علی کیفیۃ ما یفعلونه ولا کمیته فانهم یصلونها جماعۃ عشرین یتروحون بین کل رکعتین . فاما الجماعۃ فان عمر اول من جمعهم علی امام معین وقال : انها بدعۃ . کما اخرجه مسلم

فى صحيحه واخرجه غيره من حديث ابى هريرة انه صلى الله عليه وسلم كان يرغبهم فى قيام رمضان من غيران يامرهم فيه بعزيمة فيقول : من قام رمضان ايمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه . قال . فتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم والامر على ذالك وفى خلافة ابى بكر وصدرا من خلافة عمر . زاد فى رواية عند البيهقى قال عروة : فاخبرنى عبد الرحمن القارى ان عمر بن الخطاب خرج ليلة فطاف فى رمضان فى المسجد واهل المسجد اوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه ويصلى الرجل فيصلى بصلاته الرهط ، فقال عمر : والله لاظن لوجمعناهم على قارئ واحد فامرابى بن كعب ان يقوم بهم فى رمضان فخرج عمر والناس يصلون بصلاته فقال عمر : نعم البدعة هذه . وساق البيهقى فى السنن عدة روايات فى هذا المعنى

واعلم انه يتعين حمل قوله : بدعة . على جمعه لهم على معين والزامهم بذالك لا انه اراد ان الجماعة بدعة فانه صلى الله عليه وسلم قد جمع بهم كما عرفت . اذا عرفت هذا عرفت ان عمر هو الذى جعلها جماعة على معين وسماها بدعة واما قوله : نعم البدعة . فليس فى البدعة مايمدح بل كل بدعة ضلالة .

واما الكمية وهى جعلها عشرين ركعة فليس فيه حديث مرفوع الا مارواه عبد بن حميد والطبرانى من طريق ابى شيبة ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر . قال فى سبل الرشاد : ابوشيبة ضعفه احمد و

ابن معين والبخاری ومسلم وابوداود والترمذی والنسائی وغیرهم وکذبه شعبة وقال ابن معین لیس بثقة وعد هذا الحدیث من منکراته۔ وقال الاذرعی فی المتوسط: واما ما نقل انه صلی الله علیه وسلم صلی فی اللیلتین اللتین خرج فیهما عشرین رکعة فهو منکر۔ وقال الزرکشی فی الخادم: دعوی انه صلی الله علیه وسلم صلی بهم فی تلك اللیلة عشرین رکعة لم تصح، بل الثابت فی الصحیح الصلاة من غیر ذکر بالعدد وما فی روایة جابر انه صلی الله علیه وسلم صلی بهم ثمان رکعات والوتر ثم انتظروه فی القابلة فلم یخرج الیهم رواه ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحیهما۔ انتهی — وقوله: واخرج البیهقی روایة ابن عباس الی قوله: قال وفیه قوة۔ قد نقل من نیل فلم یذکر هنا — اذا عرفت هذا علمت انه لیس فی العشرین روایة مرفوعة، بل یاتی حدیث عائشة المتفق علیه قریبا انه صلی الله علیه وسلم ما کان یزید فی رمضان ولا غیره علی احدی عشرة رکعة۔ فعرفت من هذا کله ان صلاة التراویح علی هذا الاسلوب الذی اتفق علیه الاکثر بدعة۔ نعم قیام رمضان سنة بلا خلاف والجماعة فی نافلته لا تنکر وقد ائتم ابن عباس رضی الله عنه وغیره به صلی الله علیه وسلم فی صلاة اللیل لکن جعل هذه الکیفیة والکمیة سنة والمحافظة علیها هو الذی نقول: انه بدعة. وهذا عمر رضی الله عنه خرج اولا والناس اوزاع متفرقون منهم من یصلی منفردا ومنهم من یصلی جماعة علی ما کانوا (علیه) فی عصره صلی الله علیه وسلم وخیر الامور ما کان

على عهده -

واما تسميتها بالتراويح فكان وجهه ما اخرجه البيهقي من حديث عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي اربع ركعات في الليل ثم يتروح فاطال حتى رحمته الحديث قال البيهقي: تفرد به المغيرة بن زياد وليس بالقوى فان ثبت فهو اصل في تروح الامام في صلوٰة التراويح - انتهى واما حديث: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين بعدي تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ. اخرجه احمد وابوداود وابن ماجه والترمذي وصححه الحاكم وقال على شرط الشيخين ومثله حديث: اقتدوا باللذين من بعدي ابي بكر وعمر - اخرجه الترمذي وقال حسن واخرجه احمد وابن ماجه وابن حبان وله طرق فيها مقال الا انه يقوي بعضها بعضا فانه ليس المراد بسنة الخلفاء الراشدين الا طريقتهما لموافقة لطريقته صلى الله عليه وسلم من جهاد الاعداء وتقوية شعائر الدين ونحوها، فان الحديث عام لكل خليفة راشد لا يخص الشيخين، ومعلوم من قواعد الشريعة ان ليس لخليفة راشد ان يشرع طريقة غير ما كان عليها النبي صلى الله عليه وسلم، ثم عمر رضي الله عنه نفسه الخليفة الراشد سمى ما رآه من تجميع صلوٰته ليالي رمضان بدعة ولم يقل انها سنة فتامل - على ان الصحابة رضي الله عنهم خالفوا

الشيخين في مواضع ومسائل، فدل انهم لم يحملوا الحديث على ان ما قالوه وفعلوه حجة وقد حقق البرماوي الكلام في شرح الفية في اصول الفقه مع انه قال: الحديث الاول يدل انه اذا اتفق الخلفاء الاربعة على قول كان حجة لا اذا انفرد واحد منهم، والتحقيق ان الاقتداء ليس هو التقليد بل هو غيره كما حققناه في شرح نظم الكل في بحث الاجماع - اه (ج ۲ صفحہ ۱۱)

ترجمہ: اور جان لے کہ جو لوگ صلاۃ تراویح کو ثابت سمجھتے ہیں اور اسے قیام رمضان میں سنت سمجھتے ہیں وہ اس مقصد کے لیے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں نہ اس فعل کی جو وہ کرتے ہیں کیفیت کی دلیل موجود ہے نہ رکعت کی۔ کیونکہ وہ اس نماز کو باجماعت بیس رکعت پڑھتے ہیں اور ہر دو رکعت کے درمیان کچھ آرام کرتے ہیں۔ رہی جماعت تو حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک معین امام پر جمع فرمایا اور فرمایا کہ یہ بدعت (نئی چیز) ہے جیسا کہ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے اسے ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے مگر فرض کی طرح انہیں حکم نہیں دیتے تھے چنانچہ فرماتے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو معاملہ اسی طرح تھا اور ابو بکرؓ کی خلافت میں اور عمرؓ کی خلافت کے شروع میں بھی اسی طرح تھا۔ بیہقی کے ہاں ایک روایت میں یہ لفظ زاید ہیں کہ عروہ نے کہا "تو مجھے عبدالرحمان قاری نے خبر دی کہ عمرؓ بن خطاب ایک رات نکلے ماہ رمضان میں مسجد میں چکر لگایا۔ اور مسجد میں لوگ ٹولیوں کی شکل میں جدا جدا تقسیم ہو چکے تھے۔ کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا۔ کسی کی نماز کے ساتھ (اقتدا میں) ایک گروہ نماز پڑھ رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہم انہیں ایک قاری پر جمع کر دیں (تو بہتر ہے) تو ابیؓ ابن کعب کو حکم دیا کہ انہیں قیام کروائیں۔ پھر ایک دفعہ حضرت عمرؓ نکلے جب کہ لوگ ان کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ بدعت اچھی ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں اس مفہوم کی کئی احادیث ذکر فرمائیں۔

اور جان کہ آپ کے اس قول کو یہ بدعت ہے صرف اسی معنی پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد لوگوں کو ایک امام پر جمع کرنا اور ان پر یہ چیز لازم کرنا ہے۔

آپ کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت بدعت ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جماعت کروائی جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ جب تم یہ جان چکے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے ہی اسے ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی۔ اور اس کا نام بدعت رکھا اور آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور رہی کیفیت (تعداد) اور اسے بیس رکعت قرار دینا تو اس کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے سوائے اس کے جو عبد بن حمید اور طبرانی نے ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ حکم سے روایت کرتے ہیں وہ مقسم سے وہ ابن عباسؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ سبیل الرشاد میں فرمایا کہ ابو شیبہ کو احمد، ابن معین، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا۔ شعبہ نے اسے جھوٹا کہا اور ابن معین نے کہا ثقہ نہیں اور یہ حدیث اس کی منکر حدیثوں میں شمار کی۔ اور اذرعی نے متوسط میں فرمایا کہ جو نقل کیا گیا ہے "کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن دو راتوں میں نکلے تھے ان میں آپ نے بیس رکعتیں پڑھی تھیں" وہ منکر ہے اور زرکشی نے خادم میں کہا کہ یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس رات بیس رکعتیں پڑھائیں درست نہیں بلکہ صحیح میں صرف آپ کی نماز عدد کے ذکر کے بغیر ثابت ہے اور جابر کی جو روایت ہے کہ آپ نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے پھر لوگوں نے آئندہ رات آپ کا انتظار کیا تو آپ نہیں نکلے یہ روایت ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کی ہے انتہی اور اس کا قول کہ بیہقی نے ابن عباس کی روایت بیان کی ــــ الی قولہ ــــ کہا اور اس میں قوت ہے ــــ یہ حصہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ جب تم نے یہ جان لیا تو معلوم ہو گیا کہ بیس کے متعلق کوئی مرفوع روایت نہیں ہے بلکہ عن قریب حضرت عائشہؓ کی

متفق علیہ حدیث آ رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ تو اس ساری بحث سے معلوم ہو گیا کہ صلاۃ تراویح اس انداز پر جس پر اکثر لوگ متفق ہو چکے ہیں بدعت ہے۔ ہاں قیام رمضان بلا خلاف سنت ہے اور ان نوافل میں جماعت کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا اور ابن عباسؓ وغیرہ نے صلاۃ اللیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی لیکن اس کیفیت اور کمیت کو اور اس کی باقاعدگی سے ادائیگی کو سنت قرار دے دینے کو ہم کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور دیکھئے خود حضرت عمرؓ پہلے جب نکلے ہیں تو لوگ ٹولیوں کی شکل میں تھے کچھ اکیلے پڑھ رہے تھے اور کچھ جماعت کے ساتھ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا معمول تھا۔ اور سب سے بہتر وہ کام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا۔

رہ گیا اس کا نام تراویح رکھنا تو اس کی وجہ وہ حدیث ہے جو بیہقی نے روایت کی کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چار رکعت پڑھتے پھر کچھ آرام فرماتے تو آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی کہ مجھے آپ پر رحم آنے لگا۔ الحدیث بیہقی نے کہا اس حدیث کو بیان کرنے میں مغیرہ بن زیاد منفرد (اکیلا) ہے اور وہ قوی نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے تو تراویح کے وقفے میں امام کے آرام کے بارے میں یہ حدیث اصل دلیل ہو گی۔ انتہی۔ باقی رہی یہ حدیث کہ تم میرے بعد میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اسے مضبوطی سے تھامو اور اسے ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑو۔ اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ ترمذی نے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور فرمایا کہ یہ شیخین کی شرط پر ہے اور اسی کی ہم شکل یہ حدیث ہے کہ ان دونوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکر و عمر۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حسن ہے اور احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اس کو نکالا اور اس کی کئی سندیں ہیں جن پر ائمہ کو کچھ کلام ہے مگر وہ ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں تو خلفاء راشدین کی سنت

Scanned with CamScanner

سے مراد صرف ان کا وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہو جیسا کہ دشمنوں سے جہاد شعائر دین کو قوت دینا اور اس جیسے دوسرے کام۔ کیونکہ حدیث ہر نیک خلیفہ کے لیے عام ہے صرف شیخین کے لیے نہیں۔ اور شریعت کے قواعد سے معلوم ہے کہ کسی خلیفہ راشد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا طریقہ مقرر کرے جو اس طریقے کے خلاف ہو جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پھر خود حضرت عمرؓ نے جو خلیفہ راشد تھے رمضان کی راتوں میں اس نماز کو باقاعدہ باجماعت مقرر کرنے کو بدعت کا نام دیا اور یہ نہیں کہا کہ یہ سنت ہے پس اس میں خوب غور کرو۔ علاوہ ازیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کئی مقامات اور کئی مسائل میں شیخین کی مخالفت کی اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ خلفائے راشدین جو کچھ کہیں یا کریں وہ حجت ہے اور برماوی نے اصول فقہ میں اپنی کتاب الفیہ کی شرح میں اس کلام کی خوب تحقیق کی ہے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا ہے کہ پہلی حدیث تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلفاء اربعہ جب کسی قول پر متفق ہوں تو وہ حجت ہے یہ نہیں کہ ان میں سے کوئی منفرد ہو تو وہ بھی حجت ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اقتداء بعینہٖ تقلید نہیں بلکہ اس سے الگ چیز ہے جیسا کہ ہم نے نظم الکافل کی شرح میں بحث اجماع میں اس کی تحقیق کی ہے۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۱)

اقول: ان قول البیہقی: تفرد به المغیرة بن زیاد الخ

قد وقع فی سبل السلام ھکذا، تفرد به المغیرة بن دیاب الخ وانما صححناه نحن من کتاب البیہقی واعلم ان صاحب الجوہر النقی قال: ثم ذکر حدیثا فی سنده المغیرة بن زیاد فقال لیس بالقوی قلت: ضعفه فی باب ترک القصر وقال فی باب خل الخمر: صاحب مناکیر۔ وقد وثقه ابن معین وجماعة فلم یذکر البیہقی شیئا من ذالک۔ اھ وفیه انه لا اعتراض علی

Scanned with CamScanner

البیہقی فی عدم ذکرہ شیئا من ذالک لانہ لم یلتزم فی ھذا الکتاب استیعاب اقوال جمیع المعدلین والجارحین الواردۃ فی راو وما ذکرہ البیہقی ھنا فی المغیرۃ بن زیاد انما ھو رایہ فیہ فلو کان ابن الترکمانی قال ان البیہقی قد خالف رایہ ھذا اوثق المغیرۃ بن زیاد فی باب کذا او باب کذا من ھذا الکتاب او فی کتاب وتصنیف کذا من کتبہ و مصنفاتہ لکان قولہ متجہا فتدبر ثم اعلم انی لا اوافق صاحب سبل السلام فی کل ما قالہ و ذھب الیہ فی باب صلوۃ التراویح۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ بیہقی کا قول کہ اس میں مغیرہ بن زیاد متفرد ہے سبل السلام میں اس طرح آیا ہے کہ مغیرہ بن دیاب اس کے ساتھ متفرد ہے۔الخ یہ تصحیح بیہقی کی کتاب سے ہم نے کی ہے۔ اور جان لے کہ صاحب الجوہر النقی نے کہا کہ پھر ایک حدیث ذکر کی ہے جس کی سند میں مغیرہ بن زیاد ہے اور کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے اسے باب ترک القصر میں ضعیف کہا ہے اور باب غل الخمر میں کہا کہ وہ منکر روایتوں والا ہے۔ حالانکہ ابن معین اور ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا تو بیہقی نے اس بارے میں کوئی بات ذکر نہیں کی ابن ترکمانی کا کلام ختم ہوا۔ میں کہتا ہوں اس کلام میں محل نظر یہ بات ہے کہ اگر بیہقی نے توثیق کا کوئی لفظ نقل نہیں کیا تو اس میں ان پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں کسی راوی کے بارے میں تمام معدلین اور جارحین کے اقوال ذکر کرنے کی پابندی نہیں رکھی۔ بیہقی نے اس مقام پر مغیرہ بن زیاد کے متعلق جو ذکر کیا ہے وہ اس کے بارے میں ان کی اپنی رائے ہے تو اگر ابن ترکمانی یہ کہتے کہ بیہقی نے اپنی رائے کی خود مخالفت کی ہے چنانچہ مغیرہ بن زیاد کو اس کتاب کے فلاں فلاں باب میں ثقہ قرار دیا ہے اور فلاں میں ضعیف یا اپنی فلاں کتاب یا تصنیف میں اسے ثقہ کہا ہے اور فلاں میں ضعیف ــــ تو ابن ترکمانی کی بات بن

سکتی تھی۔ اس لیے خوب غور کرو۔ آخر میں یاد رکھو کہ صاحب سبل السلام نے جو کچھ کہا ہے اور نماز تراویح کے متعلق جو راہیں اختیار فرمائی ہیں ان میں سے ہر ایک میں ان کے ساتھ متفق نہیں ہوں۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۴ میں حضرت علیؓ کے اثر (بروایت ابی عبدالرحمٰن) سے اس بات پر استدلال کیا کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی قائم کی ہوئی جماعت تراویح کو توڑا نہیں بلکہ برقرار رکھا لہذا ابن تیمیہ کے نزدیک بھی یہ اثر صحیح ہے نیز حافظ ذہبی نے اپنے مختصر میں ابن تیمیہ کے اس استدلال پر ادنی کلام نہیں کیا اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک ابن تیمیہ کا یہ استدلال اور اثر دونوں صحیح ہیں" (ص ۱۹)

مصنف صاحب کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر بروایت ابی عبدالرحمان سلمی کو قولاً صحیح قرار نہیں دیا ورنہ صاحب رسالہ ان کا قول تصحیح نقل فرمانے اور مذکور بالا طریق اختیار نہ کرتے پھر اگر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے خیال میں اگر وہ اثر صحیح بھی ہو تو ان کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی ہی میزان میں لکھتے ہیں۔

حماد بن شعیب الحمانی الکوفی عن ابی الزبیر وغیرہ ضعفه ابن معین وغیرہ وقال یحیی مرۃ لا یکتب حدیثه وقال البخاری فیه نظر وقال النسائی ضعیف وقال ابن عدی اکثر حدیثه مما لا یتابع علیه ومن مناکیرہ ما رواہ جماعة عنه عن ابی الزبیر عن جابر رفعه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یدخل الماء الا بمئزر قال العقیلی لا یتابعه علیه الا من هو دونه او مثله

وقال ابوحاتم لیس بالقوی۔ اھ
ترجمہ: "حماد بن شعیب حمانی کوفی، ابوالزبیر وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ ابن معین وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا اور یحیی نے ایک مرتبہ فرمایا اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور بخاری نے کہا اس میں نظر ہے اور نسائی نے کہا ضعیف ہے ابن عدی نے کہا اس کی اکثر احادیث ایسی ہیں کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ اور اس کی منکر روایات میں سے ایک وہ ہے جو ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے کہ وہ ابوالزبیر سے اور وہ جابر سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص پانی میں تہ بند کے بغیر داخل ہو عقیلی نے کہا کہ اس روایت میں اس کی متابعت ایسے راوی کے علاوہ کوئی نہیں کرتا جو اس سے کمتر ہے یا اس جیسا ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہے"۔ اھ

دیکھیے حافظ ذہبی نے میزان میں حماد بن شعیب کے ترجمہ میں جس قدر اقوال نقل فرمائے ان سب میں حماد بن شعیب کو ضعیف ہی قرار دیا گیا ہے اور انہوں نے اس راوی کے متعلق کسی محدث کا ایک جملہ بھی ایسا نقل نہیں فرمایا جس میں حماد بن شعیب کی توثیق ہو حالانکہ ان کی اس کتاب میں عادت یہ ہے کہ وہ راوی کے متعلق توثیق وتضعیف ہمہ قسم کے اقوال نقل فرماتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ حافظ ذہبی (جنہوں نے حماد بن شعیب کو میزان میں ضعیف قرار دیا) وہ حماد بن شعیب کی روایت کو صحیح یا حسن کیسے خیال کر اور کہہ سکتے ہیں تو منتقی میں حماد بن شعیب کی روایت پر حافظ ذہبی کا سکوت اس کی روایت کے ان کے ہاں صحیح یا حسن ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ وہ اسے میزان میں ضعیف قرار دے چکے ہیں اور ضعیف بھی وہ جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے "فیہ نظر" اور بقول ابن ہمام رحمہ اللہ جس راوی کے متعلق امام بخاریؒ فیہ نظر سے اظہار خیال فرمائیں اس راوی کی روایت نہ تو قابل احتجاج واستدلال، نہ ہی قابل استشہاد اور نہ ہی قابل اعتبار ہوتی ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اگر حماد بن شعیب

کی روایت سے احتجاج واستدلال فرمایا ہے تو ان کا یہ احتجاج واستدلال سرے سے درست ہی نہیں لما تقدم پھر استدلال تو حسن روایت سے بھی ہو سکتا ہے بلکہ بعض کے نزدیک بعض مواضع میں ضعیف روایت سے بھی استدلال درست ہے لہذا کسی عالم کے کسی روایت سے استدلال سے اس روایت کے اس عالم کے ہاں صحیح ہونے پر استدلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ثابت کیا جائے کہ وہ عالم صحیح کے سوا کسی اور روایت سے استدلال نہیں کرتا نہ حسن سے اور نہ ہی ضعیف سے تو صاحب رسالہ کو چاہیے کہ وہ ثابت فرمائیں کہ حافظ ابن تیمیہ جس روایت سے استدلال فرمائیں وہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہی ہوتی ہے نہ حسن اور نہ ہی ضعیف پھر وہ ان کے حماد بن شعیب کی روایت سے استدلال کرنے سے اس کی روایت کو ان کے نزدیک صحیح قرار دینے میں حق بجانب تصور کیے جائیں گے تاہم ان کی اس ساری کاوش سے جو بات ثابت ہو گی وہ صرف یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں جس سے مسئلہ ثابت نہیں ہو گا کیونکہ وہ روایت واقع میں قابل احتجاج نہیں اور نہ ہی شواہد ومتابعات میں پیش ہونے کے قابل۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

"علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح ہونے کا ایک زبردست قرینہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص صحبت یافتہ اور شاگرد اور ان کے مستقر خلافت کوفہ میں رہتے تھے آپ کے بعد وہ بھی بیس رکعتیں پڑھتے تھے چنانچہ شتیر بن شکل سوید بن غفلہ، عبد الرحمان بن ابی بکرہ، سعید بن ابی الحسن اور علی بن ربیعہ جیسے جلیل القدر تابعین بھی اسی تعامل کی پابندی کرتے رہے۔" (ص ۱۹، ۲۰)

اولاً: شتیر بن شکل کے اثر پر کچھ کلام تو گذر چکا اسے ملاحظہ فرمائیں

مزید براں یہ کہ اس کی سند میں عبداللہ بن قیس راوی مجہول ہے چنانچہ میزان میں لکھا ہے:

"عبد الله بن قيس عن ابن عباس لا يدرى من هو تفرد عنه ابو اسحاق". اھ

"عبداللہ بن قیس، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہیں ان سے روایت میں ابو اسحاق منفرد (اکیلے) ہیں"۔ اھ۔

اور تقریب میں ہے:

"عبد الله بن قيس عن ابن عباس قوله مجهول من الثالثة"۔

"عبداللہ بن قیس ابن عباس سے ان کا قول روایت کرتے ہیں مجہول ہیں تیسرے طبقہ سے" اھ

نیز اس کی سند میں ابو اسحاق ہے اور ان کی بابت تقریب میں ہے:

"عمرو بن عبد الله الهمدانى ابو اسحاق السبيعى بفتح المهملة وكسر الموحدة ثقة مكثر عابد من الثالثة اختلط باخره" اھ

"عمرو بن عبداللہ ہمدانی ابو اسحاق سبیعی سین کی فتح اور با کے کسرہ کے ساتھ، بہت احادیث بیان کرنے والے ثقہ عابد ہیں تیسرے طبقے سے ہیں آخر عمر میں مختلط ہو گئے" اھ

اور میزان میں ہے:

ابو اسحاق السبيعى من ائمة التابعين بالكوفة واثباتهم الا انه شاخ ونسى ولم يختلط وقد سمع منه سفيان بن عيينة وقد تغير قليلا وقال ابو حاتم ثقة يشبه الزهرى فى الكثرة

وقال فضيل بن غزوان: كان ابو اسحاق يقرأ القرآن فى كل ثلاث وقال غيره: كان ابو اسحاق صواما قواما. قلت: ولد فى ايام عثمان ورأى عليا واسامة بن زيد وفرض له معاوية العطاء ثلاثمائة فى الشهر وروى جرير عن مغيرة قال: ما افسد حديث اهل الكوفة غير ابى اسحاق والاعمش. وقال الفسوى: قال ابن عيينة: حدثنا ابو اسحاق فى المسجد ليس معنا ثالث وقال الفسوى: فقال بعض اهل العلم: كان قد اختلط وانما تركوه مع ابن عيينه لاختلاطه. اه وقال صاحب تحفة الاحوذى بعد نقل عبارة التقريب الماضية: وقال فى الخلاصة: احد اعلام التابعين قال ابو حاتم: ثقة يشبه الزهرى فى الكثرة: وقال حميد الرؤاسى سمع منه ابن عيينة بعد ما اختلط - انتهى قلت: هو مدلس صرح به الحافظ فى طبقات المدلسين. اه

ابو اسحاق سبیعی کوفہ کے ائمہ تابعین اور پختہ راویوں سے ہیں مگر وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور انہیں نسیان (بھول) ہو گیا تھا اور مختلط نہیں ہوئے اور سفیان ابن عیینہ نے ان سے اس حال میں سنا کہ ان میں کچھ تغیر آچکا تھا، اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ ثقہ ہے کثرت روایت میں زہری کے مشابہ ہے اور فضیل بن غزوان نے کہا کہ ابو اسحاق قرآن مجید ہر تین دن میں پڑھ لیتے تھے اور اس کے غیر نے کہا کہ ابو اسحاق بہت روزے رکھنے والے اور بہت قیام کرنے والے تھے میں کہتا ہوں حضرت عثمان کے دور میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت علیؓ اور اسامہؓ ابن زیدؓ کو دیکھا اور حضرت معاویہؓ نے ان کا ماہانہ وظیفہ تین سو مقرر فرمایا۔ اور جریر نے مغیرہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل کوفہ کی حدیث ابو اسحاق اور اعمش کے علاوہ کس قدر خراب ہے اور فسوی نے کہا کہ ابن

عیینہ نے کہا کہ ہمیں ابو اسحاق نے مسجد میں حدیث بیان کی ہمارے پاس کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔ اور فسوی نے کہا تو بعض اہل علم نے کہا کہ وہ مختلط ہو گیا تھا اور محدثین نے اسے ابن عیینہ کے ساقط ہونے کی صورت میں اس کے اختلاط کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اھ اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے تقریب کی گذشتہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ خلاصہ میں کہا ہے کہ وہ جلیل القدر تابعین میں سے ایک ہے ابو حاتم نے کہا کہ وہ ثقہ ہے جو کثرت روایت میں زہری کے مشابہ ہے اور حمید رواسی نے کہا ہے کہ ابن عیینہ نے اس سے اس کے اختلاط کے بعد سنا ہے۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ وہ مدلس ہے حافظ نے اس کی تصریح طبقات المدلسین میں کی ہے۔ اھ

تو اس اثر کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن قیس تو مجہول ہے اور ایک اور راوی ابو اسحاق مختلط اور مدلس ہے جو اس اثر کو بصیغہ عن روایت کر رہا ہے مختلط اور مدلس کی روایت کا حکم از روئے اصول حدیث پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(۳) ثانیاً: حضرت سوید بن غفلہ کا اثر نقل کرنے کے بعد صاحب آثار السنن لکھتے ہیں:

"رواہ البیھقی واسنادہ حسن" (اسے بیہقی نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے) اور امام بیہقی خود فرماتے ہیں "وفی ذالک قوۃ" (اور اس میں قوت ہے) مگر اس اثر کے راوی ابو الخصیب سے متعلق میزان میں ہے "زیاد بن عبدالرحمن ابو الخصیب تابعی بصری عن ابن عمر لا یعرف ذکرہ ابن حبان فی الثقات" (زیاد بن عبدالرحمان ابو الخصیب تابعی بصری ابن عمر سے روایت کرتا ہے معروف نہیں اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے) اور اس کے بعد صاحب میزان ہی کنی کے حصہ میں لکھتے ہیں:

"ابو الخصیب عن ابن عمر لا یدری من ھو یقال اسمہ

زیاد بن عبد الرحمن العبسی تفرد عنه عقیل بن طلحة حدیثه فی النهی ان یجلس الرجل مکان من یقوم له۔ اھ

قلت: قد روی عن ابی الخصیب جعفر بن عون ایضاً فلم یتفرد عنه عقیل بن طلحة، وقال الحافظ فی التقریب: ابو الخصیب البصری مقبول من الرابعة۔ اھ

ترجمہ: "ابو الخصیب، ابن عمر سے روایت کرتا ہے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام زیاد بن عبد الرحمان العبسی ہے عقیل بن طلحہ ان سے وہ روایت کرنے میں متفرد ہیں جس میں منع کیا گیا ہے کہ آدمی اس شخص کی جگہ پر بیٹھے جو اس کی خاطر اٹھے۔ اھ۔

میں کہتا ہوں کہ ابو الخصیب سے جعفر بن عون نے بھی روایت کی ہے تو عقیل بن طلحہ روایت میں ان سے متفرد نہ رہے، اور حافظ نے تقریب میں فرمایا کہ ابو الخصیب بصری مقبول ہے چوتھے طبقہ سے ہے"۔ اھ۔

وثالثا: حضرت علی بن ربیعہ کے اثر کی سند کو صاحب آثار السنن نے صحیح قرار دیا ہے۔ رہے عبد الرحمان بن ابی بکرہ اور سعید بن ابی الحسن کے دو اثر تو حضرت المؤلف کی خدمت میں گذارش ہے کہ ان دونوں اثروں کی سندوں سے بندہ کو مطلع فرمائیں کیونکہ وہ ساری کتابیں پاس نہ ہونے کی وجہ سے ان کی سندیں نہیں دیکھ سکا۔

ورابعا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند ایک صحبت یافتہ بزرگوں کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی بیس پڑھتے تھے یا انہوں نے کسی صاحب خاص یا عام کو بیس پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا تھا تو ان بزرگوں کے مذکورہ آثار تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح کیا حسن ہونے کا بھی قرینہ نہیں چہ جائیکہ وہ اس کے صحیح ہونے کا زبردست قرینہ ہوں۔ بلکہ وہ تو ان بزرگوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ

Scanned with CamScanner

کہ اثر کے صحیح یا حسن ہونے کا بھی قرینہ نہیں ایسے قرینوں کی پہلے کافی وضاحت کی جا چکی ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب خاص اوران کے متبعین کا بیس رکعت کے اختیار کرنے پر یہ اتفاق اس بات کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ انہوں نے یقیناً بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا" (صنہ ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص اور متبعین صرف پانچ ہی نہیں بہت زیادہ ہیں لہذا صرف ان پانچ بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سب اصحاب خاص اور تمام متبعین کے بیس رکعات اختیار کرنے پر اتفاق پر دلالت نہیں کرتا جب کہ ان پانچ میں سے کچھ بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا ثابت ہی نہیں۔ پھر ان چند بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکو یا کسی اور کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دینے کی بھی دلیل نہیں یقینی اور ناقابل تردید دلیل ہونا تو دور کی بات ہے پھر مصنف صاحب کے اس طرز استدلال کو لے کر کوئی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کے بعض اصحاب خاص کا بیس رکعات کو اختیار کرنا ناقابل تردید دلیل ہے اس بات کی کہ انہوں نے یقیناً بیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب خاص سے تھے تو ان کا بیس رکعات پڑھنے کا حکم دینا کیوں ناقابل تردید دلیل نہیں اس بات کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً بیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا؟ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خاص سے تھے اور گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینا ان سے ثابت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم آخر کیوں ناقابل تردید دلیل نہیں اس بات کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا؟

Scanned with CamScanner

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ کا حکم دینا ثابت ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس کا حکم دینا ثابت ہی نہیں کما ولما تقدم حضرت المؤلف نے اس قسم کے دلائل، قرائن اور مؤیدات کافی بیان فرمائے ہیں مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس قسم کے دلائل، قرائن اور مؤیدات کا علمی دنیا میں ذرہ بھی وزن نہیں بلکہ یہ تو اس قابل ہی نہیں کہ انہیں دلائل، قرائن اور مؤیدات ایسے ناموں سے موسوم کیا جائے فتدبر۔

۱۰۔ اہلِ مکہ کا تعامل

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

"روی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتھم فی رمضان یصلون عشرین رکعۃ وثلاث رکعات الوتر۔

(محمد بن نصر نے عطار کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت نماز اور تین وتر پڑھتے ہوئے پایا)

عطار بن ابی رباح مکہ معظمہ کے رہنے والے جلیل القدر تابعی ہیں وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۷ھ میں ہوئی اور ان کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔" (ص ۲۱)

حضرت المؤلف نے عطار بن ابی رباح کا جو سنہ ولادت ذکر فرمایا اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عطا نے نہ تو عہد صدیقی پایا، نہ ہی عہد فاروقی اور عہد عثمانی کے اختتام کے وقت وہ کوئی آٹھ سال کے بچے تھے اور عہد علوی کے انصرام کے وقت وہ کوئی تیرہ سال کے بچے تھے پھر حضرت عطا کے اس اثر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ جن لوگوں کو انہوں نے بیس رکعات پڑھتے پایا وہ صحابہ تھے یا تابعین پھر اس میں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ وہ باجماعت پڑھتے تھے یا اکیلے اکیلے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

"عن ابن جریج عن عطاء ان بعض امراء ھم معاویة او غیرہ اراد جمع اھل مکة علی قاری واحد فقال مکرہ کرنبس: لا نفعل دع الناس من شاء طاف ومن شاء صلی بصلاة القاری،
(ج ۴ ص ۲۶۲-۲۶۳ ح ۷۷۳۷)

ابن جریج سے روایت ہے وہ عطاء سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے بعض امرا حضرت معاویہ یا کسی اور نے ارادہ کیا کہ اہلِ مکہ کو ایک قاری پر جمع کر دیں تو مکرہ کرنبس نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں لوگوں کو رہنے دیں جو چاہے طواف کرے اور جو چاہے قاری کے ساتھ نماز پڑھے تو اس امیر نے ایسا ہی کیا۔"
(ج ۴ ص ۲۶۲-۲۶۳ حدیث ۷۷۳۷)

اس اثر سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عطاء کے زمانہ اور امیر معاویہ کے دور تک اہل مکہ کو سرکاری طور پر ایک قاری کی اقتدا میں نماز تراویح ادا کرنے کا پابند نہیں کیا گیا تھا۔

تو حضرت عطاء کے مذکورہ بالا اثر سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگ ان کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے البتہ ان کے اس اثر سے بیس رکعات کا سنت نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نہ ہی بیس کا خلفاء راشدین کی سنت ہونا اور نہ ہی اس دور کے تمام لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا اس سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"روی ابوبکر بن ابی شیبة عن وکیع عن نافع بن عمر کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة"
(آثار السنن)۔ ابوبکر بن شیبہ نے وکیع سے روایت کی انہوں نے نافع بن عمر سے کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے۔

Scanned with CamScanner

ابن ابی ملیکہ جلیل القدر تابعی مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں ان کی ملاقات
حضرت عثمان غنی سے ہوئی اب ظاہر ہے کہ خلافت راشدہ کے حالات
سے یہ پورے آگاہ تھے عبداللہ بن الزبیر کے دور میں ان کی تقرری عہدہ
قضاء پر ہوئی شرح صحیح مسلم نودی ص۱ ان کے عمل سے اہل مکہ کے طرز
عمل پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ ابن ابی ملیکہ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی
نیز یہ دونوں بزرگ عہد عثمانی کے آخری دور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے پورے دور سے واقف ہیں لہذا عطاء بن ابی رباح کی روایت
سے صحابہ کے تعامل پر روشنی پڑتی ہے" (ص۲۰، ص۲۱)

اولاً: نافع بن عمر صحابی نہیں اور نہ ہی ابن ابی ملیکہ صحابی ہیں تو حضرت نافع
ابن عمر کے بیان "ابن ابی ملیکہ رمضان میں ہمیں بیس رکعات پڑھاتے تھے" سے یہ
ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام اس دور میں بیس رکعات پڑھتے یا پڑھاتے تھے۔

وثانیاً: ابن ابی ملیکہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات درست
اور مسلم لیکن اس ملاقات سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بیس
رکعات پڑھتے تھے یا انہوں نے کسی کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا تھا
جب کہ اسلاف کی نفل عبادت میں تفاوت وقوع پذیر ہے بلکہ واقع ہے کما تقدم
وسیاتی ہاں صاحب رسالہ نے ملاقات پر ۱ لگا کر حاشیہ میں لکھا ہے" انہیں
حضرت عثمان بن عفان کی رؤیت کا شرف نصیب ہوا" (ابوداود) اگر حضرت
المؤلف نے اس رؤیت سے اس ملاقات کا اثبات فرمایا ہے تو پھر ان کا یہ اثبات
محل نظر ہے۔

وثالثاً: یہ بھی مسلم کہ تقریباً نصف عہد خلافت راشدہ (عہد عثمانی کے آخری
دور اور عہد علوی کے پورے دور) کے حالات سے وہ آگاہ اور واقف تھے مگر
ان کا بیس رکعات نوافل پڑھنا حضرت عثمان، حضرت علی اور ان کے دور کے
صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے یا پڑھنے پڑھانے کا

Scanned with CamScanner

حکم دینے کی دلیل نہیں۔

ورابعاً: بیس رکعات پڑھنے پڑھانے والے حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ کی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں عہدہ قضاء پر تقرری حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے یا بیس رکعات کا حکم دینے کے لیے ثبوت نہیں۔

وخامساً: حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ کے مذکور بالا دو اثر صحابہ کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کی دلیل نہیں اور نہ ہی خلفاء راشدین کے بیس پڑھنے پڑھانے یا بیس کا حکم دینے کی دلیل ہیں اور اگر ان دو بزرگوں کی خلافت راشدہ کے تقریباً نصف دور کے حالات سے آگاہی و واقفیت ان کے عمل (بیس رکعات) خلفاء راشدین کی سنت ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت اسود بن یزید کے عمل چالیس رکعات کو بھی خلفاء راشدین کی سنت قرار دینا ہوگا کیونکہ حضرت عطاء اور حضرت ابن ابی ملیکہ تو خلافت راشدہ کے آخری تقریباً نصف دور کے حالات سے آگاہ و واقف تھے لیکن چالیس رکعات پڑھنے والے جلیل القدر بلکہ اجل القدر مخضرم تابعی حضرت اسود ابن یزید تو خلافت راشدہ کے پورے دور کے حالات سے صرف آگاہ و واقف ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے خلفاء راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ حج کرنے کی سعادت بھی حاصل کی پھر خلفاء راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے حدیث سننے پھر روایت کرنے کا شرف بھی انہیں نصیب ہوا تو باندازِ مؤلف ان کا یہ عمل چالیس رکعات اس بات کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین نے یقیناً حضرت اسود بن یزید کو چالیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

پھر چالیس رکعات پڑھنے والے جلیل القدر مخضرم تابعی حضرت اسود بن یزید نے عہد نبوی کے آخری ایام پائے مگر ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے ملاقات نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ انہیں کثیر التعداد صحابہ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا تو ان کے چالیس رکعات پڑھنے والے اثر سے صحابہ کرام کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

نیز انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے پورے دور پائے اور وہ ان دونوں کے دوروں کے حالات سے پوری طرح آگاہ بھی تھے لہذا ان کے اس طرز عمل سے حضرت عبداللہ بن زبیر، امیر معاویہ اور ان کے دور کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے پھر امام مالک کا بیان "یوم حرہ سے قبل سے لے کر آج تک مدینہ منورہ میں اڑتیس رکعات اور وتر پر عمل ہو رہا ہے" سے بھی مذکور بالا دلیل کی کچھ نہ کچھ تائید ہوتی ہے۔

پھر حضرت اسود بن یزید کی وفات کوفہ میں ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں ہوئی تو ان کے اثر سے اہل کوفہ کا تعامل سمجھنے میں بھی کچھ نہ کچھ مدد ملتی ہے نیز یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان اصحاب خاص میں سے تھے جو صاحب فتوی تھے تو ان کے چالیس رکعات پڑھنے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تعامل کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

نیز ان کا یہ تعامل حضرت ابی بن کعب کے اکتالیس والے اثر (جس کی طرف جامع ترمذی میں علی ما روی عن ابی بن کعب کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے) کے صحیح ہونے کی پرزور شہادت ہے۔ یاد رہے حضرت اسود بن یزید کے چالیس رکعات والے اثر پر یہ ساری تقریر مصنف صاحب کے انداز پر ہے اور وہ اسے ناقابل تردید اور قوی دلائل سے شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے ورنہ ہمارے نزدیک علمی دنیا میں ایسے دلائل کا کوئی وزن نہیں۔ اور حضرت اسود بن یزید کا چالیس رکعات والا اثر عمدۃ القاری میں موجود ہے چنانچہ آگے آرہا ہے۔

دسادساً: یہ تو پہلے بیان ہو چکا کہ خلفاء راشدین میں سے کسی ایک

بھی خلیفہ راشد کا بیس رکعات پڑھنا پڑھانا یا بیس کا کسی کو حکم دینا ثابت نہیں تو اگر بعض صحابہ بیس رکعات پڑھتے بھی ہوں تو ان کے بیس پڑھنے سے بیس رکعات کا سنت نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے بیس پڑھنے سے بیس کا خلفاء راشدین کی سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں "محولہ بالا آثار کے صحیح ہونے کی ایک پرزور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسی ترمذی نے (سنن ترمذی کے مصنف) ترمذی میں فرمایا ہے کہ "اکثر اھل العلم علی ما روی عن علی و عمر و غیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری و عبد اللہ بن مبارک والشافعی و ھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ"۔

ترجمہ: اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے جو حضرت علیؓ اور عمرؓ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ سے روایت کیا گیا ہے یعنی بیس رکعت اور یہی قول سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور شافعی کا ہے اور اسی طرح میں نے اپنے شہر مکہ میں پایا کہ لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایت کی صحت وسقم کا علم یا ان کے نقد کا سلیقہ سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام ترمذی جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کو زیادہ حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت ... فل مکتب ہیں؟ ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا

ویاتیک بالاخبار من لم تزود (ص۲۱)

عنقریب زمانہ تیرے لیے وہ چیزیں ظاہر کر دے گا جس سے تو واقف نہ تھا اور ایسے ایسے لوگ آکر تجھے خبریں بتائیں گے جنہیں تو نے زادِ راہ دے کر نہیں بھیجا۔

اولاً: اس بات میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

فن حدیث کے مسلم الامامۃ جلیل القدر امام ہیں مگر ان کا قول " واکثر اھل العلم علی مارُوی عن علی وعمر وغیرھما الخ " محولہ بالا آثار کے صحیح ہونے کی شہادت ہے نہ حسن ہونے کی۔ صحیح ہونے کی پرزور شہادت ہونا تو دور کی بات ہے کیونکہ اصول حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی امام حدیث کا کسی حدیث یا اثر کو روایت کرنا اس حدیث یا اثر کے صحیح یا حسن ہونے کی شہادت نہیں الا یہ کہ وہ امام حدیث فرما دیں کہ جس حدیث یا اثر کو وہ روایت کریں وہ حدیث یا اثر ان کے نزدیک صحیح ہوتا ہے یا حسن۔ اور ظاہر ہے کہ امام ترمذی نے جامع ترمذی کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جبکہ عالم یہ ہے کہ حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے محولہ بالا آثار کو انہوں نے اپنی کتاب جامع میں روایت بھی نہیں کیا صرف اتنے لفظ بولے ہیں۔ "مارُوی عن علی وعمر وغیرھما الخ" اگر انہوں نے حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ کے محولہ بالا آثار کو جامع ترمذی میں روایت کیا ہوتا تو پھر حضرت المؤلف، صاحب آثار السنن اور دیگر علماء کرام کو ان محولہ بالا آثار کا حوالہ دینے کے سلسلہ میں فن حدیث کے مسلم الثبوت امام کی تالیف کردہ صحاح ستہ کی معتبر و مستند کتاب جامع ترمذی چھوڑ کر سنن کبری، کتاب المعرفۃ للبیھقی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور قیام اللیل للمروزی ایسی کتابوں کے نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

وثانیاً: امام ترمذی اپنی کتاب میں فی الباب کہہ کر ایک مضمون کی کئی احادیث کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں مثلاً باب رفع الیدین عند الرکوع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں "وفی الباب عن عمر وعلی ووائل بن حجر ومالک بن الحویرث وانس وابی ھریرۃ وابی حمید وابی اسید وسھل بن سعد ومحمد بن مسلمۃ وابی قتادۃ وابی موسی الاشعری وجابر وعمیر اللیثی"

ترجمہ: "اور اس مسئلہ میں حضرت عمر، علی، وائل بن حجر، مالک بن حویرث، انس، ابوہریرہ، ابوحمید، ابواسید، سہل بن سعد، محمد بن مسلمہ، ابوقتادہ، ابوموسیٰ اشعری، جابر اور عمیر لیثی کی احادیث موجود ہیں"۔

تو اب عالم تو عالم کوئی طفل مکتب فن حدیث بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ ان چودہ۱۴ صحابہ کی احادیث درباب رفع الیدین کے صحیح ہونے کی ایک پُرزور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی نے جامع ترمذی میں فرمایا ہے" وفی الباب عن عمر وعلی ووائل بن حجر الخ"

البتہ جو حضرات گرامی امام ترمذی کے قول" ماروی عن علی وعمر وغیرھما الخ" کو حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ کے محولہ بالا آثار درباب تراویح کے صحیح ہونے کی پرزور شہادت قرار دیتے ہوں ان کو چاہیے کہ وہ امام ترمذی ہی کے قول" وفی الباب عن عمر وعلی ووائل بن حجر الخ" کو بھی ان چودہ۱۴ صحابہ کی احادیث درباب رفع الیدین کے صحیح ہونے کی پرزور شہادت قرار دیں۔ کیونکہ امام صاحب اس مقام پر بھی تو یہی فرمارہے ہیں کہ رفع الیدین کی احادیث ان چودہ۱۴ صحابہ سے بھی مروی ہیں جیسے کہ باب قیام رمضان میں انہوں نے فرمایا کہ بیس رکعات کے آثار حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ سے مروی ہیں۔ اور ان کے ایک قول کو صحت کی پرزور شہادت قرار دینا اور دوسرے قول کو صحت کی پرزور شہادت قرار نہ دینا انصاف نہیں۔

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ باب قیام رمضان میں تو امام صاحب نے اکثر اہلِ علم کا قول بھی نقل فرمایا ہے تو ان صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر اہلِ علم یا اقل اہل علم کا قول ومذہب کسی حدیث واثر کے صحیح یا ضعیف ہونے کی شہادت نہیں کما سیاتی پھر امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکثر اہل علم کا قول ومذہب تو بیان فرمایا مگر یہ نہیں بتایا کہ ان کا اپنا قول ومذہب کیا تھا؟ آیا وہ خود اکثر اہلِ علم کے قول ومذہب پر تھے یا اسحاق بن راہویہ اور اہل مدینہ منورہ کے قول ومذہب

Scanned with CamScanner

اکتالیس رکعات پڑھتے ؟

وثالثاً : امام ترمذی ہی فرماتے ہیں :

"واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ"

ترجمہ : اہلِ علم نے قیام رمضان کے متعلق اختلاف فرمایا ہے بعض کا خیال ہے کہ وتر سمیت اکتالیس رکعت پڑھے یہ اہلِ مدینہ کا قول ہے اور ان کے ہاں اسی پر عمل ہے ۔

نیز فرماتے ہیں :

"وقال اسحاق ، بل نختار احدی واربعین علی ماروی عن ابی بن کعب"

ترجمہ : اور اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس رکعت کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ ابی ابن کعب سے روایت کی گئی ہے ۔

اور علامہ عینی امام ترمذی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"ذکرابن عبد البر فی الاستذکار عن الاسود بن یزید کان یصلی اربعین رکعۃ ویوتر بسبع ھکذا ذکرہ ولم یقل ان الوتر من الاربعین وقیل ثمان وثلاثون رواہ محمد بن نصر من طریق ابن ایمن عن مالک قال یستحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلاثین رکعۃ ثم یسلم الامام والناس ثم یوتر بھم بواحدۃ قال وھذا العمل بالمدینۃ قبل الحرۃ منذ بضع ومائۃ سنۃ الی الیوم ۔ ھکذا روی ابن ایمن عن مالک وکانہ جمع رکعتین من الوتر مع قیام رمضان وسماھما من قیام رمضان والا فالمشھور عن مالک ست وثلاثون والوتر بثلاث و

العدد واحد۔ (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۳۵۶-۳۵۷)

ترجمہ: ابن عبدالبر نے استذکار میں ذکر کیا ہے کہ اسود بن یزید چالیس رکعت پڑھتے تھے اور سات وتر پڑھتے تھے انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے۔ بعض نے کہا کہ اڑتیس رکعات پڑھے اسے محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے مالک سے ذکر فرمایا کہ انہوں نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعات قیام کریں پھر امام اور لوگ سلام پھیر دیں۔ پھر امام انہیں ایک رکعت وتر پڑھاتے اور یہ عمل مدینہ میں حرہ سے پہلے سے لے کر آج تک ایک سو کئی برس سے آ رہا ہے۔ ابن ایمن نے مالک سے یہ روایت اسی طرح بیان کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتر میں سے دو رکعتیں قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور ان کا نام قیام رمضان رکھ دیا ہے ورنہ امام مالک کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ چھتیس رکعتیں اور تین وتر پڑھے جائیں۔ دونوں صورتوں میں کل تعداد ایک ہی ہے (عمدۃ القاری ص ۳۵۶-۳۵۷ جلد ۵)

تو اب اگر حضرت المؤلف کا طریقہ اپنایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ سنتالیس، اکتالیس اور انتالیس رکعات والے آثار صحیح ہونے کی ایک پر زور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسی ترمذی، حافظ ابن عبدالبر اور محمد ابن نصر مروزی رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

"وقال اسحاق: بل نختار احدی واربعین علی ماروی عن ابی بن کعب"، "عن الاسود بن یزید کان یصلی اربعین رکعۃ الخ"، "عن مالک قال الخ"

ترجمہ: اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ ابی بن کعب سے روایت کی گئی ہے۔ اسود بن یزید سے ہے کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے الخ مالک سے ہے کہ انہوں نے کہا الخ

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحیح وسقیم ہونے کا علم یا ان کے نقد

Scanned with CamScanner

کا سلیقہ امام مالک، امام ترمذی، محمد بن نصر مروزی اور حافظ ابو عمر ابن عبدالبر جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کو زیادہ حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا
ویاتیک بالاخبار من لم تزود

ترجمہ: عنقریب زمانہ تیرے لیے وہ چیزیں ظاہر کر دے گا جن سے تو واقف نہ تھا اور ایسے ایسے آکر تجھے خبریں بتائیں گے جنہیں تو نے زادِ راہ دے کر نہیں بھیجا۔

درابعا: امام ترمذی کا بیان یہ نہیں کہ بیس رکعات کا سنت نبویہ یا سنت خلفاء راشدین ہونا سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک، امام شافعی اور اکثر اہل علم کا قول و مذہب ہے اور نزاع تو بیس رکعات کے سنت نبویہ اور سنت خلفاء راشدین ہونے میں ہے نہ کہ اقل یا اکثر اہل علم کے بیس یا بیس سے کم و بیش رکعات پڑھنے پڑھانے میں ہاں اگر سفیان بن سعید ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام ترمذی، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے بیس رکعات کو سنت نبویہ یا سنت خلفاء راشدین سمجھنے کی کوئی دلیل ہو تو صاحب رسالہ وہ دلیل بیان فرمائیں۔

دخامسا: سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی اور اکثر اہل علم کا قول "بیس رکعات نماز تراویح" اس بات کی شہادت و دلیل نہیں کہ محولہ بالا آثار ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں کیونکہ حافظ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں:

اذا روی العدل عن رجل وسماہ لم یجعل روایتہ عنہ تعدیلا منہ لہ عند اکثر العلماء من اھل الحدیث وغیرھم وقال بعض اھل الحدیث، وبعض اصحاب الشافعی یجعل ذالک تعدیلا منہ لہ لان ذالک یتضمن التعدیل والصحیح ھو الاول لانہ یجوز ان یروی عن غیر عدل فلم یتضمن روایتہ عنہ تعدیلہ وھکذا

نقول، ان عمل العالم او فتیاہ علی وفق حدیث لیس حکما منہ بصحۃ ذالک الحدیث وکذالک مخالفتہ للحدیث لیست قدحا منہ فی صحتہ ولا فی راویہ" (علوم الحدیث لابن الصلاح) اقول والمراد بالصحۃ فی کلامہ ھذا ما یقابل الضعف وھو یشمل الصحۃ والحسن تامل۔

ترجمہ: جب عدل راوی کسی شخص سے روایت بیان کرے اور اس کا نام بھی ذکر کرے تو اکثر علماء اہل حدیث اور دوسرے علماء کے نزدیک عادل راوی کا اس شخص سے روایت کرنا اس عادل کی طرف سے اس شخص کی توثیق نہیں سمجھا جائے گا۔ اور شافعی کے بعض اصحاب اس عادل کے روایت کرنے کو اس کی توثیق قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے ضمن میں اس کی تعدیل بھی آجاتی ہے اور صحیح بات پہلی ہے کیونکہ غیر عدل سے اس کا روایت کرنا جائز ہے اس لیے اس کے روایت کرنے سے اسے عادل قرار دینا لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ عالم کا کسی حدیث کے مطابق عمل کرنا یا فتویٰ دینا اس عالم کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا نہیں ہے اور اسی طرح کسی امام کا کسی حدیث کے مخالف عمل کرنا اس امام کی طرف سے اس حدیث پر یا اس کے راوی پر عیب نہیں سمجھا جائے (علوم الحدیث) میں کہتا ہوں ابن صلاح کے کلام میں صحت سے مراد وہ ہے جو ضعف کے مقابلہ میں ہے اس لیے اس میں صحیح اور حسن ہونا دونوں شامل ہیں۔ پس غور کیجئے۔

"اور اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے" لہذا مذکور بالا بزرگوں اور اکثر اہل علم کے قول "بیس رکعات" سے ثابت کرنا کہ محولہ بالا آثار ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں درست نہیں اسی سلسلہ میں ذرا مزید تفصیل سنئے۔ تدریب شرح تقریب میں لکھا ہے۔

"وعمل العالم وفتیاہ علی وفق حدیث رواہ لیس حکما منہ (بصحتہ) ولا بتعدیل رواتہ لامکان ان یکون ذالک منہ احتیاطا

او دليل اخر وافق ذالك الخبر وصحح الآمدى وغيره من الاصوليين:
انه حكم بذالك وقال امام الحرمين ان لم يكن فى مسالك الاحتياط
وفرق ابن تيمية بين ان يعمل به فى الترغيب وغيره (ولا لمخالفته)
له (قادح) منه (فى صحته ولا فى رواته) لامكان ان يكون ذالك لمانع
من معارض او غيره وقد روى مالك حديث الخيار ولم يعمل به
لعمل اهل المدينة بخلافه ولم يكن ذالك قدحا فى نافع راويه -
وقال ابن كثير فى القسم الاول نظر اذ لم يكن فى الباب غير ذالك
الحديث وتعرض للاحتجاج به فى فتياه او حكمه او استشهد به عند
العمل بمقتضاه قال العراقى: والجواب انه لايلزم من كون ذالك
الباب ليس فيه غير هذا الحديث ان لايكون ثم دليل اخر من
قياس او اجماع ولا يلزم المفتى او الحاكم ان يذكر جميع ادلته بل
ولا بعضها ولعل له دليلا اخر واستانس بالحديث الوارد فى الباب
وربما كان يرى العمل بالضعيف وتقديمه على القياس كما تقدم
(تنبيه) مما لايدل على صحة الحديث ايضا كما ذكره اهل الاصول
موافقة الاجماع له على الاصح لجواز ان يكون المستند غيره وقيل
يدل وكذالك بقاء خبر تتوفر الدواعى على ابطاله وقال الزيدية يدل
وافتراق العلماء بين متاول للحديث ومحتج به وقال ابن السمعانى
وقوم يدل لتضمنه تلقيهم له بالقبول واجيب باحتمال انه تاوله
على تقدير صحته فرضا لا على ثبوتها عنده - اھ اقول ان لفظة لا
فى قوله: والجواب انه لايلزم كون الخ ليست فى نسخة التدريب
التى بيدى وانما صححنا ذالك نحن نظرا الى السياق والسباق واللحاق
وهذا كما صححنا قول صاحب الرسالة: ويأتيك بالاخبار لم تزود.
بادخال لفظة من بين بالاخبار وبين لم تزود، فتدبر -

ترجمہ : عالم کا کسی حدیث کے مطابق عمل یا فتویٰ اس عالم کی طرف سے اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم نہیں ہے نہ ہی اس کے راویوں کے عادل ہونے کا حکم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے احتیاط کی وجہ سے یا کسی دوسری دلیل کی وجہ سے ایسا کیا ہو جو اس حدیث کے مطابق ہے اور آمدی اور کچھ دوسرے اصولی علماء نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ اس عالم کا حکم ہوگا۔ اور امام الحرمین نے کہا اس شرط کے ساتھ کہ احتیاط کی صورتوں سے نہ ہو۔ اور ابن تیمیہ نے مواقع ترغیب اور دوسرے مواقع میں عمل کے درمیان فرق کیا ہے اور نہ ہی اس امام کے حدیث کے مخالف عمل یا فتویٰ کو اس حدیث کی صحت یا اس کے روایوں کی ثقاہت میں عیب سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے یہ کسی معارض یا دوسرے مانع کی بنا پر ہو۔ امام مالک نے حدیث خیار روایت کی ہے اور اہل مدینہ کے مخالف عمل کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا اور مالک کا یہ عمل حدیث کے راوی نافع پر عیب نہیں ہے۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ پہلی قسم اس صورت میں محل نظر ہے جب اس مسئلے میں اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہو اور عالم نے اپنے فتویٰ یا فیصلے میں بطور حجت وہ حدیث پیش کی ہو یا اس کے مفہوم پر عمل کے وقت اس حدیث سے استشہاد کیا ہو۔ عراقی نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کسی دوسری حدیث کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں اجماع یا قیاس کی بھی کوئی دوسری دلیل نہیں اور مفتی یا حاکم کے لیے ضروری نہیں کہ اپنی تمام دلیلیں بیان کرے بلکہ بعض دلیلیں بیان کرنا بھی ضروری نہیں۔ شاید اس کے پاس کوئی اور دلیل ہو اور اس کا میلان اس حدیث کی طرف ہو گیا ہو جو زیر بحث مسئلہ میں موجود ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس عالم کا خیال یہ ہو کہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف حدیث مقدم سمجھی جائے گی اور اس پر عمل ہوگا جیسا کہ گذر چکا۔ تنبیہ۔ جو چیزیں اہل اصول کے بیان کے مطابق حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں بن سکتیں ان میں ایک چیز اجماع کا اس حدیث کے مطابق ہونا ہے زیادہ صحیح مذہب کے مطابق۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اجماع کی اصل بنیاد کوئی اور ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دلیل بن سکتی ہے۔ اسی طرح خبر کے

ابطال کے تقاضوں کے باوجود اس کا باقی رہنا بھی دلیل نہیں زیدیہ نے کہا دلیل ہے اسی طرح بعض علماء کا اس حدیث کی تادیل کرنا اور بعض کا اس سے دلیل پکڑنا بھی صحت کی دلیل نہیں اور ابن سمعانی اور ایک قوم نے کہا دلیل ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے (تبھی تو دلیل پکڑی ہے یا تادیل کی ہے) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے اس کی تادیل اس لیے کی ہو کہ اگر اس کو صحیح فرض کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا یہ بات نہیں کہ وہ حدیث فی الواقع اس کے نزدیک ثابت ہے۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اس عبارت "والجواب انہ لا یلزم من کون الخ" میں "لا" کا لفظ تدریب کے اس نسخہ میں نہیں ہے جو میرے پاس ہے تصحیح ہم نے سیاق وسباق و لحاق کو دیکھ کر کی ہے جس طرح ہم نے صاحب رسالہ کے قول "دیاتیک بالاخبار لم تزود" کی تصحیح بالاخبار اور لم تزود کے درمیان "من" کا لفظ لکھ کر کی ہے —— فتدبر۔

توجب پوری امت کے تمام مجتہدین کا کسی حدیث واثر کے موافق اجماع اس حدیث واثر کے صحیح یا حسن ہونے پر دلالت نہیں کرتا تو پھر تین چار ائمہ یا جمہور امت کا کسی حدیث واثر کے موافق قول وعمل اس حدیث واثر کے ان کے ہاں صحیح یا حسن ہونے پر کیونکر دلالت کر سکتا ہے۔

وسادساً: یہ بات درست اور مسلم کہ روایات کے صحیح وسقیم ہونے کا علم اور نقد روایات کا سلیقہ سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام ترمذی رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر وسیع العلم ائمہ حدیث حضرات کو زیادہ اور خوب حاصل تھا نیز بندہ، صاحب رسالہ اور عصر حاضر کے علماء ان کی نسبت طفل مکتب ہیں مگر یہ بات درست وسلم ہونے سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ محولہ بالا آثار ان جلیل القدر وسیع العلم ائمہ حدیث حضرات کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں کما دلما تقدم۔

وسابعاً: صاحب رسالہ نے اپنے مذکور بالا بیان میں شعر ستبدی لک

الایام الخ کو عصر حاضر کے بعض علماء پر چسپاں فرمایا ہے تو اس سلسلہ میں ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ پہلے وہ ہمارے اس تبصرہ کو شروع سے لے کر آخر تک خصوصاً محدث حافظ اور ثقہ کے ہم معنی ہونے نہ ہونے مستور کے مجہول ہونے نہ ہونے اور سبل السلام کے تین مقامات مذکورہ غلط ہونے نہ ہونے کی مباحث بغور پڑھیں پھر اس کے بعد اپنا ذکر کیا ہوا شعر سنبدی لک الایام الخ بھی ایک مرتبہ پڑھ لیں۔ رہا بندہ تو اسے سنبدی لک الایام الخ کا مصداق ہونے کا اعتراف ہے جیسے اسے حضرت سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام شافعیؒ اور امام ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر وسیع العلم ائمہ حدیث کی نسبت طفل مکتب ہونے کا اقرار ہے۔

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

"نیز عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین اور نسلاً بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل کو اگر کوئی شخص اہمیت نہ دے تو اس کی ناواقفیت ہے ورنہ حقیقت میں تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے" ص۲۱

اولاً: عہد فاروقی کے تعامل بیس رکعات کی بنیاد تو مذکورہ بالا آثار ہی ہیں جن کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔

وثانیاً: صحابہ کرام کا تعامل بیس رکعات صاحب رسالہ نے جس دلیل سے ثابت کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کے کچھ خاص صحبت یافتہ اور چند شاگرد بیس پڑھتے تھے یا پھر عہد صحابہ کے فلاں بزرگ بیس پڑھتے پڑھاتے تھے لہٰذا صحابہ کرام بھی بیس پڑھتے پڑھاتے اور پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور اس دلیل کی اصلیت کو بھی پچھلے صفحات میں روشن کیا جا چکا ہے اور جن آثار میں خاص خاص صحابہ کے بیس پڑھنے پڑھانے اور بیس کا حکم دینے کا ذکر ہے وہ سرے سے ثابت ہی نہیں مثلاً حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے آثار۔ تحقیق

Scanned with CamScanner

پہلے گذر چکی اسے ملاحظہ فرمائیں۔

وثالثا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینا ثابت ہے نیز عہد فاروقی میں لوگوں (جن میں صحابہ و تابعین بھی تھے) کا گیارہ اور تیرہ رکعات پڑھنا ثابت ہے لہذا صاحب رسالہ کا بیان "نیز عہد فاروقی سے لے کر الخ" محل نظر ہے۔

ورابعاً: عہد فاروقی میں اہل مدینہ کا تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات تھا اور عہد نبوی میں بھی اہل مدینہ کا تعامل یہی تھا پھر امام مالک رحمہ اللہ کے بیان "قبل یوم حرہ سے لے کر آج تک کوئی سو برس سے زائد عرصہ سے مدینہ منورہ میں انتالیس ۳۹ پر عمل ہو رہا ہے" سے پتہ چلتا ہے کہ خلفاء راشدین اربعہ کے دور کے بعد اہل مدینہ کا تعامل انتالیس رکعات ہو گیا تھا اور امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی اور یوم حرہ ۶۳ھ میں معرض وجود میں آیا تو ظاہر ہے کہ یوم حرہ سے قبل اور بعد صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے کیونکہ صحابہ کا زمانہ ایک سو دس ہجری (۱۱۰ھ) تک ہے اور تابعین تو اس دور میں بے شمار تھے تو قبل یوم حرہ سے لے کر امام مالکؒ کے زمانہ تک اہل مدینہ انتالیس رکعات پڑھتے رہے پھر فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسی ترمذیؒ کی شہادت بھی ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں:

"فرأى بعضهم ان يصلى احدى واربعين ركعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة"

"تو بعض کا خیال یہ ہے کہ اکتالیس رکعت وتر سمیت پڑھے اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور مدینہ میں ان کے ہاں اسی پر عمل ہے۔"

امام ترمذیؒ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی تو ان کی اس شہادت سے پتہ چلا کہ امام ترمذی کے زمانہ تک اہل مدینہ کا تعامل اکتالیس رکعات تھا تو اب صاحب رسالہ خود غور فرمائیں کہ آیا بیس رکعات عہد فاروقی سے لے کر اہل مدینہ کا

مسلسل تعامل ہے یا نہیں ؟ اور اہلِ مکہ کا تعامل بیس رکعات جن تابعین کے واسطے سے مصنف صاحب نے نقل فرمایا ان تابعین نے عہد فاروقی سرے سے پایا ہی نہیں بلکہ وہ تو شہادت حضرت عمر فاروق کے بعد پیدا ہوئے تو پھر بیس رکعات کو عہد فاروقی سے لے کر اہل مکہ کا مسلسل تعامل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے رہے اہل کوفہ تو ان کے تعامل بیس رکعات کے عہد فاروقی میں معرض وجود میں آنے کی صاحب رسالہ نے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔ ادھر کوفہ کے رہنے والے حضرت اسود بن یزید جن کی وفات بھی ۷۵ھ میں کوفہ کے اندر ہی ہوئی چالیس رکعات پڑھتے تھے اور انہوں نے خلفاء راشدین اربعہ کا دور بھی پایا ہے کیونکہ وہ مخضرم تابعی ہیں اور ۷۵ھ میں وفات پارہے ہیں تو حضرت اسود بن یزید کے تعامل سے اہلِ کوفہ کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے تو صاحب رسالہ اگر ان قرائن وشواہد کی روشنی میں اپنے دعوی " عہد فاروقی سے لے کر الخ پر غور فرمائیں گے تو واقفیت وناواقفیت اور اہمیت وناہمیت والا راز ان کو معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالی نیز فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسی ترمذی کا بیان " وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین علی ماروی عن ابی بن کعب " اور

اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس کو مختار سمجھتے ہیں اس کی بنا پر جو ابی ابن کعب سے روایت کیا گیا ہے ۔ ان کے دعوی مذکورہ کو روشن کرتا ہے ۔

ونحامسا : چونکہ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالی کی تقریر سے بیس رکعات کے عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام، تابعین عظام اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر تعامل ہونے نہ ہونے پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس مقام پر وہ تقریر بتمامہ (مکمل) نقل کر دی جائے تاکہ حضرت المؤلف کے مذکورہ بالا دعوی کی حقیقت کو پہچانا جاسکے چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں :

" وقد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان

على اقوال كثيرة

۱. فقيل احدى واربعون وقال الترمذى : رأى بعضهم ان يصلى احدى واربعين ركعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة ـ قال شيخنا رحمه الله تعالى، وهو اكثر ما قيل فيه. قلت : ذكر ابن عبد البر فى الاستذكار عن الاسود بن يزيد كان يصلى اربعين ركعة ويوتر بسبع هكذا ذكره ولم يقل ان الوتر من الاربعين ـ

۲ـ وقيل ثمان وثلاثون رواه محمد بن نصر من طريق ابن ايمن عن مالك قال يستحب ان يقوم الناس فى رمضان بثمان وثلاثين ركعة يسلم الامام والناس ثم يوتر بهم بواحدة قال وهذا العمل بالمدينة قبل الحرة منذ بضع ومائة سنة الى اليوم. هكذا روى ابن ايمن عن مالك وكانه جمع ركعتين من الوتر مع قيام رمضان وسماها من قيام رمضان والا فالمشهور عن مالك ست وثلاثون والوتر بثلاث والعدد واحد ـ

۳ـ وقيل ست وثلاثون وهو الذى عليه عمل اهل المدينة وروى ابن وهب قال سمعت عبد الله بن عمر يحدث عن نافع قال لم ادرك الناس الا وهم يصلون تسعا وثلاثين ركعة ويوترون منها بثلاث ـ

۴ـ وقيل اربع وثلاثون على ما حكى عن زرارة بن اوفى انه كذلك كان يصلى بهم فى العشر الاخير ـ

۵ ـ وقيل ثمان وعشرون وهو المروى عن زرارة بن اوفى فى العشرين الاولين من الشهر وكان سعيد بن جبير يفعله

Scanned with CamScanner

فی العشر الاخیر۔

٦- وقیل اربع وعشرون وهو مروی عن سعید بن جبیر۔

٧- وقیل عشرون وحکاه الترمذی عن اکثر اهل العلم فانه روی عن عمر وعلی وغیرهما من الصحابة وهو قول اصحابنا الحنفیة اما اثر عمر رضی الله تعالی عنه فرواه مالك فی المؤطا باسناد منقطع فان قلت: روی عبد الرزاق فی المصنف عن داود بن قیس وغیره عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وعلی تمیم الداری علی احدی وعشرین رکعة یقومون بالمئین وینصرفون فی بزوغ الفجر۔ قلت: قال ابن عبد البر هو محمول علی ان الواحدة للوتر۔ وقال ابن عبد البر: وروی الحارث بن عبد الرحمن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عهد عمر بثلاث وعشرین رکعة۔ قال ابن عبد البر: هذا محمول علی ان الثلاث للوتر۔ وقال شیخنا: وما حمله علیه فی الحدیثین صحیح بدلیل ما روی محمد بن نصر من روایة یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انهم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعة فی زمان عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه۔ واما اثر علی رضی الله تعالی عنه فذکره وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء عن علی رضی الله تعالی انه امر رجلا یصلی بهم رمضان عشرین رکعة واما غیرهما من الصحابة فروی ذالك عن عبد الله بن مسعود رواه محمد بن نصر المروزی قال اخبرنا یحیی بن یحیی اخبرنا

حفص بن غياث عن الاعمش عن زيد بن وهب قال كان
عبد الله بن مسعود يصلي لنا في شهر رمضان فلنصرف وعليه
ليل قال الاعمش كان يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث. ولما
القائلون به من التابعين فشتير بن شكل وابن ابي مليكة و
الحارث الهمداني وعطاء بن ابي رباح وابو البختري وسعيد
ابن ابي الحسن البصري اخو الحسن وعبد الرحمن بن ابي بكر وعمران
العبدي وقال ابن عبد البر وهو قول جمهور العلماء وبه قال
الكوفيون والشافعي واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابي بن كعب
من غير خلاف من الصحابة۔

۸۔ وقيل ست عشرة فهو مروي عن ابي مجلز انه كان يصلي
بهم اربع ترويحات ويقرأ بهم سبع القرآن في كل ليلة رواه
محمد بن نصر من رواية عمران بن حدير عن ابي مجلز۔

۹۔ وقيل ثلاث عشرة واختاره محمد بن اسحاق روى محمد
بن نصر من طريق ابن اسحاق قال حدثني محمد بن يوسف
ابن عبد الله بن يزيد ابن اخت نمر عن جده السائب بن
يزيد قال كنا نصلي في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه
في رمضان ثلاث عشرة ركعة ولكن والله ما كنا نخرج الا في
وجاه الصبح كان القارى يقرأ في كل ركعة بخمسين اية وستين
آية قال ابن اسحاق: وما سمعت في ذالك حديثا هو اثبت
عندي ولا احرى بان يكون من حديث السائب وذالك
ان صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت من الليل
ثلاث عشرة ركعة. وقال شيخنا: لعل هذا كان من فعل
عمر اولا ثم نقلهم الى ثلاث وعشرين۔

۱۰- وقیل احدی عشرۃ رکعۃ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ

ابوبکر (بن) العربی۔ اھ (عمدۃ القاری ج۵ ص ۳۵۶ – ۳۵۷)

۱- **ترجمہ**: قیام رمضان میں مستحب عدد کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں بعض نے کہا اکتالیس ترمذی نے فرمایا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور وہاں ان کا اسی پر عمل ہے ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قیام رمضان میں تمام اقوال میں سے یہ زیادہ تعداد ہے میں کہتا ہوں کہ ابن عبدالبر نے استذکار میں اسود بن یزید کے متعلق ذکر فرمایا کہ وہ چالیس رکعت اور سات وتر پڑھتے راوی نے اسی طرح ذکر کیا یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے

۲- بعض کہتے ہیں اڑتیس اسے محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے مالک سے ذکر فرمایا کہ انہوں نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ رمضان میں لوگوں کو اڑتیس رکعت پڑھائے پھر امام اور لوگ سلام پھیر دیں پھر انہیں ایک وتر پڑھائے مالک نے فرمایا کہ مدینہ میں یہ عمل واقعہ حرہ سے قبل سے آج تک ایک سو سے زائد برس سے چلا آرہا ہے۔ ابن ایمن نے مالک سے اسی طرح روایت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتر کی دو رکعتیں قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور انہیں قیام رمضان کا نام دے دیا ہے ورنہ امام مالک سے مشہور روایت چھتیس رکعات اور تین وتر ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے۔

۳- بعض کہتے ہیں چھتیس۔ اہل مدینہ کا اسی پر عمل ہے اور ابن وھب نے روایت کی کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنا وہ نافع سے بیان فرماتے تھے کہ انہوں نے فرمایا ہم نے لوگوں کو اسی حال میں پایا ہے کہ وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے جن میں سے تین وتر ہوتے تھے۔

۴- بعض کہتے ہیں چونتیس جیسا کہ زرارہ بن اوفی سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ آخری عشرہ میں لوگوں کو اسی طرح پڑھایا کرتے تھے۔

Scanned with CamScanner

۵۔ بعض کہتے ہیں اٹھائیس۔ اور یہ عدد زرارہ بن اوفی سے ماہ رمضان کے پہلے دو عشروں میں بیان کیا گیا ہے اور سعید بن جبیر آخری عشرے میں اتنی رکعات پڑھتے تھے۔

۶۔ بعض کہتے ہیں چوبیس اور یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے۔

۷۔ بعض کہتے ہیں بیس۔ ترمذی نے یہ قول اکثر اہل علم سے بیان کیا ہے کیونکہ یہ حضرت عمر اور علی اور دوسرے صحابہ سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ہمارے حنفی ساتھیوں کا قول ہے۔ حضرت عمرؓ کا اثر جو ہے وہ مالک نے موطا میں منقطع سند کے ساتھ بیان کیا ہے اگر تم کہو کہ عبدالرزاق نے مصنف میں داؤد بن قیس وغیرہ سے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ عمر بن خطاب نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری پر اکیس رکعت پر جمع کیا وہ سو سو آیتوں والی سورتوں کے ساتھ قیام کرتے تھے اور فجر کے طلوع کے قریب ہٹتے تھے۔ میں کہتا ہوں ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ ایک رکعت وتر کے لیے ہوتی تھی۔ اور ابن عبدالبر نے فرمایا کہ حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تیئیس رکعت قیام تھا۔ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ تین وتر تھے۔ اور ہمارے شیخ نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں کو جس مطلب پر ابن عبدالبر نے محمول کیا ہے وہ صحیح ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن نصر نے یزید بن خصیفہ سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کی ہے کہ وہ عمرؓ بن خطاب کے دور میں رمضان میں بیس رکعت قیام کرتے تھے اور جو حضرت علیؓ کا اثر ہے وہ وکیع نے حسن بن صالح سے انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسنار سے انہوں نے حضرت علیؓ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ انہیں رمضان میں بیس رکعت پڑھائے اور جو ان کے علاوہ دوسرے

Scanned with CamScanner

صحابہ ہیں تو عبداللہ بن مسعود سے یہ تعداد بیان کی گئی ہے اسے محمد بن نصر
مروزی نے روایت کیا کہ ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے خبر دی انہوں نے زید بن وھب
سے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود ہمیں ماہ رمضان میں نماز پڑھاتے تھے تو
وہ نماز سے فارغ ہوتے تو ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا اعمش نے کہا کہ ابن
مسعود بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اور تابعین میں سے اس عدد
کے قائل شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، عطار بن ابی رباح،
ابوالبختری حسن کے بھائی سعید بن ابی الحسن بصری، عبدالرحمان بن ابی بکر اور
عمران عبدی ہیں۔ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور اہل کوفہ
شافعی اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور ابی بن کعب سے بھی یہی ثابت
ہے اور صحابہ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

۸۔ بعض کہتے ہیں سولہ۔ یہ ابو مجلز سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو چار ترویحے پڑھاتے
اور ہر رات قرآن مجید کا ساتواں حصہ پڑھتے۔ اسے محمد بن نصر نے عمران بن حدیر
کی روایت سے ابو مجلز سے بیان کیا ہے۔

۹۔ بعض کہتے ہیں تیرہ۔ اسے محمد بن اسحاق نے پسند فرمایا ہے محمد بن نصر نے ابن
اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے اس نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے
اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں
رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے لیکن اللہ کی قسم ہم صبح کے بالکل قریب
جا کر ہی فارغ ہوتے تھے۔ قاری ہر رکعت میں پچاس ساٹھ آیتیں پڑھتا
تھا ابن اسحاق نے کہا میں نے اس مسئلہ میں جتنی حدیثیں سنی ہیں ان میں سے
میرے نزدیک سب سے زیادہ ثابت اور سائب کی اصل حدیث ہونے میں
سب سے زیادہ لائق یہی حدیث ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز
رات کے وقت تیرہ رکعت تھی۔ اور ہمارے شیخ نے فرمایا شاید حضرت عمرؓ کا
یہ فعل پہلے کا ہو بعد میں آپ نے انہیں تیئیس کی طرف منتقل کر دیا۔

Scanned with CamScanner

۱۰۔ بعض کہتے ہیں گیارہ اور مالک نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا اور ابوبکر بن العربی نے اسی کو اختیار فرمایا (عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۳۵۶۔ ۳۵۷)

اقول اولاً: ان کلام صاحب العمدۃ هذا صریح فی اختلاف العلماء هذا علی زهاء عشرة اقوال انما هو فی العدد المستحب فی قیام رمضان لا فی العدد المسنون فیه وهو صریح ایضا فی ان العلماء والفقهاء من الصحابة والتابعین لیسوا بمجمعین علی ان قیام رمضان عشرون رکعة وهو یدل ایضا علی ان القیام بعشرین رکعة لیس عملا للمسلمین نسلا بعد نسل مسلسلا من عهد عمر الی یومنا هذا فتأمل۔

وثانیا: ان الآثار المرویة فی عشرین رکعة عن عمر وعلی وعبد الله بن مسعود قد تقدم ما فیها من المقال وکذلك الآثار الواردة فی عدد القیام فی عهد عمر رضی الله عنه قد سبق تحقیق ماهو الصحیح منها فارجع الیه۔

وثالثا: ان قول شیخ صاحب العمدۃ: وما حمله علیه فی الحدیثین صحیح بدلیل ما روی محمد الخ فیه ان لفظ یزید بن خصیفة عشرین رکعة لیس دلیلا لکون الوتر فی لفظ محمد بن یوسف احدی وعشرین رکعة واحدة لاحتمال جمع رکعتین من الوتر الثلاث مع قیام رمضان والی مثل هذا ذهب العینی قبل فی قوله: وکانه جمع رکعتین من الوتر مع قیام رمضان الخ ولا دلیلا لکون الوتر فی لفظ الحارث بن عبد الرحمان ثلاث وعشرین ثلاث رکعات لاحتمال حذف الکسر من العدد وکون الوتر رکعة۔

ورابعا: ان قول شیخه: ولعل هذا کان من فعل عمر اولا الخ یشعر بان شیخ العینی لم یکن عنده دلیل لقوله هذا والا لم یصل لعل وکذلك کل من ذهب الی هذا التطبیق لم یات بدلیل یثبت

ان عمر جمعهما اولا على ثلاث او احدى عشرة ركعة ثم نقلهم الى احدى او ثلاث وعشرين ركعة كما سنبينه ان شاء الله تعالى۔

وخامسا: ان الدعوى: وهو الصحيح عن ابى الخ فيها انه لم يصح عن ابى وعلى تقدير صحته عنه قد خالفه الصحابة بل امره عمر باحدى عشرة ركعة ويظهر لك كل ذالك بمطالعة ما حررنا قبل وبعد۔

وسادسا: ان قول العينى: ولم يقل ان الوتر من الاربعين. فيه نظر ظاهر اذا الوتر يكون فردا فكيف يتصور كونه من الاربعين وهو عدد زوج فتدبر۔

۱۔ ترجمہ: میں کہتا ہوں عمدۃ القاری کے مصنف کے اس مسئلہ میں کلام سے واضح ہے کہ علماء کا تقریباً دس اقوال پر اختلاف قیام رمضان کے مستحب عدد کے بارے میں ہے اس کے مسنون عدد کے بارے میں نہیں اس سے یہ بات بھی صاف معلوم ہو رہی ہے کہ صحابہ اور تابعین کے علماء اور فقہاء اس بات پر متفق نہیں کہ قیام رمضان بیس رکعت ہی ہے اور یہ کلام اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بیس رکعت قیام حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر آج تک مسلمانوں کا نسلاً بعد نسلٍ مسلسل عمل نہیں ہے فتامل۔

۲۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود سے جو آثار بیس رکعت کے منقول ہیں ان پر گفتگو گذر چکی ہے اسی طرح حضرت عمرؓ کے دور میں قیام کی تعداد کے بارے میں آثار میں سے جو جو صحیح ہیں ان کی تحقیق گذر چکی ہے وہاں دیکھئے۔

۳۔ عمدہ کے مصنف کے شیخ نے جو کہا ہے کہ دونوں حدیثوں میں وتر کو جو ایک اور تین پر محمول کیا ہے یہ صحیح ہے الخ اس پر یہ اعتراض ہے کہ یزید بن خصیفہ کا بیس رکعت کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ محمد بن یوسف کے لفظ

Scanned with CamScanner

اکیس رکعات میں وتر ایک ہو کیونکہ احتمال ہے کہ تین وتر میں سے دو کو قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دیا ہو۔ اور قبل ازیں عینی نے اڑتیس والے قول میں یہی صورت اختیار کی ہے اور نہ ہی یزید کا قول اس بات کی دلیل بن سکتا ہے کہ حارث بن عبدالرحمان کے قول تیئیس رکعات میں وتر تین رکعات تھے کیونکہ احتمال ہے کہ عدد میں سے کسر کو حذف کر دیا گیا ہو اور وتر ایک ہی رکعت ہو۔

۴۔ عینی کے شیخ کا کہنا کہ شاید یہ پہلے حضرت عمرؓ کا فعل ہو الخ بتا رہا ہے کہ عینی کے شیخ کے پاس اپنے اس قول کی کوئی دلیل موجود نہیں ورنہ اس قول کا آغاز شاید کے لفظ کے ساتھ نہ کرتے۔ اسی طرح جتنے لوگوں نے یہ تطبیق دی ہے کسی نے یہ دلیل پیش نہیں کی کہ حضرت عمر نے پہلے تیرہ یا گیارہ کا حکم دیا تھا پھر ان کو اکیس یا تیئیس کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ اس کی وضاحت کریں گے۔

۵۔ یہ دعویٰ کہ حضرت ابی سے یہی (بیس رکعت) صحیح ہے۔ حضرت ابی کے متعلق درست نہیں بالغرض اگر مان لیں کہ یہ ان سے ثابت ہے تو صحابہ نے ان کی مخالفت کی ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے انہیں گیارہ رکعت کا حکم دیا ہے یہ سب باتیں آپ کو اس تحریر سے معلوم ہو جائیں گی جو گذر چکی ہے اور کچھ اس سے جو آ رہی ہے۔

۶۔ عینی کے اس قول میں کہ "یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے" ظاہر نظر ہے کیونکہ وتر طاق ہوتا ہے تو وتر کا چالیس میں شامل ہونا کس طرح تصور میں آسکتا ہے جب کہ چالیس کا عدد جفت ہے۔ فتدبر۔

وسادساً: بیس رکعات کے عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام، تابعین عظام اور عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل ہونے نہ ہونے پر تو کلام ہو چکا رہی بیس رکعات کو اہمیت دینے نہ دینے والی بات تو اس سلسلہ میں صاحب

Scanned with CamScanner

رسالہ سے سوال ہے کہ بیس رکعات سے کم وبیش قیام کرنے والے صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین مثلاً حضرت ابی بن کعب، حضرت تمیم داری حضرت سائب بن یزید، حضرت زرارہ بن اوفی، حضرت اسود بن یزید، حضرت ابو مجلز، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن اسحاق صاحب مغازی، حضرت اسحاق بن راہویہ شیخ بخاری، حضرت امام مالک شیخ شافعی اور اہل مدینہ بھی ان کے مزعوم مسلسل تعامل سے واقف تھے یا نہیں؟ پھر واقف ہونے کی صورت میں انہوں نے اس کو اہمیت دی یا نہ دی؟ نیز تعامل سلف کے صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہونے کا ان کو علم تھا یا نہیں؟

پھر صاحب رسالہ کی خدمت میں گذارش ہے کہ لگے ہاتھوں وہ یہ بھی بتانے جائیں آیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے تعامل، عہد نبوی و عہد فاروقی کے تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات اور خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ اور جو حضرات گرامی اس تعامل کو اہمیت نہ دیں تو یہ ان کی واقفیت ہے یا ناواقفیت؟

وسادساً: فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی جامع ترمذی میں لکھتے ہیں:

"وقال احمد: روی فی ھذا الوان لم یقض فیہ بشیٔ۔"

"امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس کے متعلق مختلف قسم کے اقوال روایت کیے گئے چنانچہ امام احمد نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔"

امام احمد بن حنبل شیخ البخاری وابی داود رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام المحدثین کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں نے عدد رکعات قیام رمضان میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو اگر بیس رکعات عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام تابعین عظام اور

Scanned with CamScanner

نسلاً بعد نسل عامۃ المسلمین کا وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل ہوتا تو ضرور بالضرور امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کے حق میں فیصلہ صادر فرماتے اور یونہی "ر دی فی ھذا الوان" کہہ کر اس مقام سے نہ گذر جاتے جب کہ تعامل سلف کا صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہونا نہ ہونا بھی آخران کے علم میں تھا تو اب صاحب رسالہ ہی فرمائیں گے کہ ان کا کوئی فیصلہ نہ فرمانا ان کی واقفیت ہے یا ناواقفیت ؟ نیز امام احمد رحمہ اللہ کا کوئی فیصلہ نہ فرمانا حضرت المؤلف کے مزعوم مسلسل تعامل کو اہمیت دینا ہے یا نہ دینا ؟

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام، تابعین عظام اور نسلاً بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل اور اس کی اہمیت کا علم امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام المحدثین کو زیادہ اور خوب حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں ستبدی لک الایام الخ

وثامنا : صاحب رسالہ کا بیان "عہد فاروقی سے لے کر الخ اور ان کے دیگر بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی بیس رکعات تراویح کا عہد نبوی و عہد صدیقی میں ہونا ثابت نہیں ورنہ وہ فرماتے "عہد نبوی یا عہد صدیقی سے لے کر" الخ البتہ گیارہ اور تیرہ رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، عہد نبوی اور عہد فاروقی سے ثابت ہیں کما تقدم۔

وتاسعا : رہا صاحب رسالہ کا تعامل سلف کو صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل قرار دینا تو وہ درست نہیں کیونکہ اصول فقہ سے تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والا طفل مکتب بھی جانتا ہے کہ شرعی دلائل چار ہیں بایں ترتیب (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرطیکہ ثابت ہو (۳) اجماع امت (۴) قیاس بشرطیکہ صحیح ہو۔ تو اگر تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہوتا تو اہل اصول تعامل سلف

کو کتاب اللہ کے بعد اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دوسرے نمبر پر ضرور بالضرور بیان فرماتے اور کتب اصول میں لکھتے کہ اصول شرع پانچ ہیں۔ بایں ترتیب (۱) کتاب اللہ (۲) تعامل سلف (۳) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۴) اجماع امت (۵) قیاس۔

اہلِ علم کو معلوم ہے کہ صحیح تو صحیح حسن حدیث کے ہوتے ہوئے بھی اجماع و قیاس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ اجماع اور قیاس محققین اہلِ اصول کے ہاں کتاب و سنت کے ناسخ نہیں۔ تو اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ تعامل سلف کے صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہونے کا علم صاحب توضیح، صاحب تلویح، صاحب تحریر، صاحب تقریر، صاحب حسامی صاحب نامی، صاحب منار، صاحب نور الانوار، صاحب مسلم الثبوت، صاحب فواتح الرحموت، صاحب اصول شاشی، صاحب محصول، صاحب ورقات، صاحب کشف بزدوی، صاحب ارشاد الفحول اور دیگر اہلِ اصول کو زیادہ حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں سنبدی لک الایام الخ

ہاں تعامل سلف یا اہل مدینہ کا عمل اگر بسند مقبول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا عہد نبوی تک پہنچتا ہو تو وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہے جیسے گیارہ اور تیرہ رکعات نماز تراویح۔

دعا شرا: صاحب رسالہ کے اس بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعامل سلف بیس رکعات کے مقابلہ میں کوئی صحیح السند روایت موجود ہے جس سے تعامل سلف کو کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل بنایا جا رہا ہے جب کہ عالم یہ ہے کہ گیارہ اور تیرہ رکعات بھی تعامل سلف ہیں بلکہ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم بھی دیا تھا اور اس تعامل کے مقابلہ میں نہ تو کوئی صحیح السند مرفوع روایت ہے اور نہ ہی کوئی حسن السند مرفوع روایت بلکہ قطعی الصحۃ مرفوع روایت اس تعامل کی تائید کر رہی ہے لہذا صاحب رسالہ

کے قاعدہ کی رو سے تو تعامل سلف گیارہ اور تیرہ رکعات بطریق اولیٰ تعامل سلف بیس رکعات سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"دیکھئے حضرت عبداللہ بن مبارک جن کی امامت اور علمی جلالت مسلم اور متفق علیہ ہے فرماتے ہیں اجماع الناس علی شئی اوثق فی نفسی من سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ" الخ (ص۲۲)

(لوگوں کا کسی چیز پر اجماع ہو تو میرے دل میں اس کا اعتماد اس سند سے بھی زیادہ ہے کہ سفیان نے منصور سے بیان کیا انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ ص۲۲)

اولاً: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان درست مگر وہ تب ملحوظ ہوگا جب اجماع اور کسی اصح الاسانید سند سے مروی حدیث میں بظاہر تعارض ہو اور واضح بات ہے کہ اجماع کا درجہ سنت وحدیث خواہ وہ حسن ہی کیوں نہ ہو سے متاخر ہے تو پھر اصح الاسانید سند سے مروی حدیث اور اجماع کے مابین تعارض کیونکر متصور ہو سکتا ہے پھر جتنے اجماعات ہیں ان سے کوئی ایک اجماع بھی مقبول حدیث کے خلاف نہیں کسی اجماع کا اصح الاسانید سے مروی صحیح حدیث کے خلاف ہونا تو دور کی بات ہے اور اگر صاحب رسالہ کے علم میں کوئی ایسا اجماع ہو جو اصح الاسانید سند سے مروی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اسے بیان فرمائیں بندہ ان کا ممنون ہوگا۔

وثانیاً: بیس رکعات نماز تراویح پر اجماع نہیں چنانچہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی کے بیان "واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضھم الخ"، امام المحدثین امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جن کی امامت

اور علمی جلالت مسلم اور اتفاقی ہے) کے بیان " ردی فی هذا الوان" نیز امام احمدؒ کے عدد قیام رمضان کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہ فرمانے، حافظ ابن عبد البر مالکی جیسے جلیل القدر وسیع العلم امام کے قول " وهو قول جمهور العلماء " اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کی مذکور تقریر " وقد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرة الخ" سے ظاہر ہے پھر صاحب رسالہ نے بھی متعدد مقامات پر بیس رکعات کو جمہور کا قول وعمل قرار دیا ہے انہوں نے اجماع کا دعویٰ نہیں فرمایا چنانچہ وہ اپنے رسالہ کے ص۳ پر فرماتے ہیں:

"نماز تراویح کے بارہ میں عہد فاروقی سے لے کر آج تک جمہور امت کا عمل بیس رکعت پر چلا آرہا ہے"۔

ص۱۲ پر لکھتے ہیں" جمہور امت کے اس دعویٰ کی بنیاد الخ"

ص۲۱ پر تحریر کرتے ہیں " نیز عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر تعامل الخ"

اور اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر رقم فرماتے ہیں:

"اور ترجیح یا تطبیق کے بعد جمہور امت کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا"،

تو صاحب رسالہ کے مذکورہ بالا چار بیانات سے واضح ہے کہ انہیں بھی اعتراف واقرار ہے کہ بیس رکعات پر اجماع نہیں ورنہ وہ اجماع کا دعویٰ کرتے جبکہ اجماع شرعی دلائل سے ایک دلیل ہے اور اکثریت وجمہوریت شرعی دلائل سے کوئی سی دلیل بھی نہیں تو جب صاحب رسالہ کو بھی تسلیم ہے کہ بیس رکعات پر اجماع نہیں تو پھر ان کا اس مقام پر حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے قول " اجماع الناس علی شئی الخ" کو پیش فرمانا بے محل ہے ہاں اگر حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے " اجتماع جمهور الناس واكثرهم علی شئی الخ" تو پھر ان کا فرمان صاحب رسالہ کے لیے مفید ہو سکتا تھا اگر انہوں نے یہ تو فرمایا ہی نہیں تو اب اگر صاحب رسالہ کو حضرت عبد اللہ بن مبارک" کے مذکور در رسالہ بیان سے بیس رکعات کو تقویت پہنچانے کا شوق ہو تو پہلے وہ

Scanned with CamScanner

بیس رکعات پر امت کا اجماع ثابت فرمائیں وہ دونہ خرط القتاد اور اس کے بعد ان کا بیان" اجماع الناس علی شئی الخ" پیش فرمائیں۔

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

"اسی طرح امام احمد بن حنبل رح جو امام المحدثین کے لقب سے ذکر کئے جاتے ہیں، کا فرمان منقول ہے" قال ابوداود: قیل لاحمد وانا اسمع: یؤخر القیام یعنی التراویح الی آخر اللیل؟ قال: لا، سنۃ المسلمین احب الی"۔ (ص۲۲)

(ابوداؤد فرماتے ہیں امام احمد سے سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا کہ کیا تراویح کو رات کے آخری حصے تک مؤخر کر دیا جائے فرمایا نہیں عام مسلمانوں کا طریقہ مجھے زیادہ پسند ہے)۔

اولاً: نعم البدعۃ ہذہ والے اثر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان "والتی ینامون عنہا افضل من التی یقومون" یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ۔ منقول ہے نیز علامہ زرقانی کی زبانی اس کی شرح پہلے لکھی جا چکی ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

وثانیاً: امام المحدثین امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے رات کے ابتدائی حصہ میں تراویح ادا کرنے سے متعلق فرمایا" سنۃ المسلمین احب الی" انہوں نے یہ نہیں فرمایا" سنۃ المسلمین احب الی من الحدیث الصحیح" لہٰذا امام احمد بن حنبل کے اس قول سے صاحب رسالہ کے مدعا" تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے" کی تائید نہیں ہوتی۔

وثالثاً: امام المحدثین امام احمد کا عدد رکعات تراویح کے بارہ میں بیان روی فی ھذا الوان" گذر چکا نیز آپ نے پڑھا کہ امام المحدثین امام احمد نے عدد رکعات تراویح کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو اگر وہ بیس رکعات کو بھی سنۃ المسلمین سمجھتے ہوتے تو تراویح کے رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرنے کے بارہ

میں دیے ہوئے فیصلہ سنۃ المسلمین احب الی" کو وہ بیس رکعات کے بارہ میں بھی صادر فرما دیتے تو ان کے بیس رکعات کے بارہ میں یہ فیصلہ صادر نہ فرمانے بلکہ عدد رکعات تراویح سے متعلق کوئی فیصلہ نہ دینے سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بیس رکعات وغیرہ کوئی ایک عدد معین در قیام رمضان سنۃ المسلمین نہیں ورنہ وہ اس کے حق میں فرماتے "سنۃ المسلمین احب الی"۔

درابعا، یہ بھی یاد رکھیں امام المحدثین امام احمد کا فرمان ہے "سنۃ المسلمین احب الی" ان کا فرمان یہ نہیں کہ "سنۃ جمہور المسلمین و اکثرھم احب الی" فتدبر۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

"اور اسی طرح امام ترمذی عملی تواتر کی بنیاد پر ضعیف روایت کو صحیح روایت سے مقدم سمجھتے ہیں دیکھو ترمذی جلد اص ۲۷ باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین" (ص۲۲)

صاحب رسالہ کے حکم کے مطابق بندہ نے ترمذی کا مذکور باب دیکھا اگر اس میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو حضرت صاحب کے مدعا "امام ترمذی عملی تواتر کی بنیاد پر ضعیف روایت کو صحیح روایت سے مقدم سمجھتے ہیں" پر دلالت کرتا ہو چنانچہ ہم اس مقام پر وہ باب تمامہ نقل کیے دیتے ہیں تاکہ آپ بذات خود بھی غور فرما سکیں تو فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسی ترمذی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین حدثنا هناد نا ابو معاوية عن الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: جمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بین الظهر

والعصر وبين المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر. قال فقيل لابن عباس ما اراد بذالك؟ قال: اراد ان لا تحرج امته۔ وفي الباب عن ابي هريرة قال ابو عيسى: حديث ابن عباس قد روي عنه من غير وجه رواه جابر بن زيد وسعيد بن جبير وعبد الله بن شقيق العقيلي وقد روي عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم غير هذا حدثنا ابوسلمة يحيى بن خلف البصري نا المعتمر بن سليمان عن ابيه عن حنش عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد اتى بابا من ابواب الكبائر۔ قال ابو عيسى: وحنش هذا هو ابو علي الرحبي وهو حنش بن قيس وهو ضعيف عند اهل الحديث ضعفه احمد وغيره والعمل على هذا عند اهل العلم ان لا يجمع بين الصلاتين الا في السفر او بعرفة ورخص بعض اهل العلم من التابعين في الجمع بين الصلاتين للمريض وبه يقول احمد واسحاق وقال بعض اهل العلم يجمع بين الصلاتين في المطر وبه يقول الشافعي واحمد واسحاق ولم ير الشافعي للمريض ان يجمع بين الصلاتين۔ اھ

ترجمہ: یہ باب ان احادیث میں ہے جو دونمازوں کو جمع کرنے کے متعلق آئی ہیں۔ ہمیں ہناد نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں ابومعاویہ نے اعمش سے بیان کیا انہوں نے حبیب بن ابی ثابت سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر، عصر اور مغرب عشاء کو بغیر خوف اور بارش کے جمع فرمایا۔ تو ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے مقصد کیا تھا؟ فرمایا مقصد یہ تھا کہ تنگی نہ ہو۔ اور اس مسئلہ میں ابوہریرہ کی حدیث بھی ہے ابو عیسی (ترمذی) نے کہا ابن عباس کی حدیث ان سے کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے اسے جابر بن زید، سعید بن جبیر اور عبداللہ بن

Scanned with CamScanner

شقیق عقیلی نے روایت کیا ہے اور ابن عباس سے اس کے علاوہ بھی روایت کی گئی ہے ہمیں ابو سلمہ یحییٰ بن خلف بصری نے بیان کیا کہ ہمیں معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے بیان کیا انہوں نے حنش سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بغیر عذر کے دو نمازیں جمع کرے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں سے ایک دروازے میں آیا۔ ابو عیسیٰ نے کہا اور یہ حنش ابو علی الرحبی ہے یہی حنش بن قیس ہے اور وہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے اسے احمد وغیرہ نے ضعیف کہا۔ اور اہل علم کے نزدیک عمل اسی پر ہے کہ دو نمازیں سفر اور عرفہ کے علاوہ جمع نہ کرے۔ اور تابعین کے بعض اہل علم نے مریض کو دو نمازیں جمع کرنے کی اجازت دی ہے اور یہی قول احمد اور اسحاق کا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ بارش میں دو نمازیں جمع کر سکتا ہے یہ قول شافعی احمد اور اسحاق کا ہے اور شافعی نے مریض کے لیے دو نمازیں جمع کرنا جائز نہیں سمجھا۔

تو امام ترمذی نے پہلے حنش بن قیس کی روایت باسند بیان کی بعدہ حنش بن قیس کی بابت لکھا "وھو ضعیف عند اھل الحدیث الخ" پھر فرمایا "والعمل علی ھذا عند اھل العلم ان لا الخ" تو اس عبارت میں بلکہ پورے باب میں امام صاحب نے نہ تو کسی عمل کو متواتر کہا، نہ ہی کسی عملی تواتر کو کسی چیز کی بنا بنایا اور نہ ہی کسی ضعیف روایت کو کسی صحیح روایت سے مقدم سمجھا نہ ہی مطلقا اور نہ کسی عملی تواتر کی بنیاد پر ہاں ان کی اس عبارت سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک اہل علم کے عمل کے کسی حدیث کے موافق ہونے سے اس حدیث کا صحیح یا حسن ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ حدیث کے راوی حنش بن قیس کو ضعیف بھی بتا رہے ہیں اور اس کی روایت کے موافق اہل علم کا عمل بھی بیان فرما رہے ہیں تو اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحیح وسقیم ہونے کا علم یا نقد روایات کا سلیقہ فن حدیث کے مسلم الثبوت جلیل القدر وسیع العلم امام ابو عیسیٰ ترمذی کو زیادہ اور خوب حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو

جوان کی نسبت طفل مکتب ہیں ستھدی لک الایام الخ

۱۱۔ گیارہ رکعات والی روایت پر کلام کی تحقیق

حضرت المؤلف فرماتے ہیں :

"اب رہی وہ روایت جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں (موطا امام مالک باب قیام رمضان) سو یاد رہے کہ اس اثر کے ناقل صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں جیسا درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے

سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ

← محمد بن یوسف

۱۔ (امام مالک)	۲۔ (یحیی بن سعید)	۳۔ (عبد العزیز بن محمد)	۴۔ (ابن اسحاق)	۵۔ (داود بن قیس وغیرہ)
حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں بحوالہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالی	حضرت عمر نے ابی ابن کعب اور تمیم پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں) بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ	ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی بن کعب و تمیم داری کا) بحوالہ سنن سعید بن منصور	ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان تیرہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں بھی حکم اور ابی بن کعب و تمیم کا ذکر نہیں اور گیارہ کی بجائے تیرہ کا ذکر ہے) بحوالہ قیام اللیل	حضرت عمر نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں اکیس رکعت پر جمع کیا۔ (اس میں گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے) بحوالہ مصنف عبد الرزاق

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک بیان کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں"۔ (صہ ۲۳،۲۲)

اولاً: صرف اور صرف محمد بن یوسف کے اس اثر کا ناقل ہونا کوئی وجہ ضعف نہیں دیکھئے بخاری شریف کی پہلی حدیث "انما الاعمال بالنیات الخ" کے ناقل صرف اور صرف حضرت علقمہ ہیں حالانکہ حدیث انما الاعمال بالنیات باتفاق جمیع محدثین صحیح ہے پھر محمد بن یوسف سے متعلق صاحب رسالہ ہی لکھتے ہیں "محمد ابن یوسف ثقۃ ثبت ۔تقریب ص ۲۳۸" (صہ ۹) لہذا صاحب رسالہ کا قول "اس اثر کے ناقل صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں" حقیقت حال کا بیان ہے تضعیف اثر نہیں۔

وثانیاً: یحیی بن سعید قطان کا بیان "حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھتے تھے"۔ امام مالک کے بیان "حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں" کے خلاف ومنافی نہیں بلکہ یحیی بن سعید کا بیان بتا رہا ہے کہ حضرت ابی ابن کعب اور تمیم داری کا عمل گیارہ رکعات تھا اور امام مالک کا بیان واضح کر رہا ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا تو ان میں موافقت ہے مخالفت اور منافات نہیں یہ درست کہ یحیی بن سعید کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں مگر ان کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کی نفی بھی تو نہیں ہے۔

نیز عبدالعزیز بن محمد کا بیان "ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے" امام مالک اور یحیی ابن سعید کے مذکورہ بالا بیانات کے خلاف و منافی نہیں کیونکہ اس میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات کا حکم دینے

کی نفی ہے اور نہ ہی حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کی نفی ہے باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب و تمیم داری کا ذکر نہ ہونے سے حضرت عمرؓ کے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے اور حضرت ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی ہاں اس میں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے ادھر امام مالک کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کا حکم بھی گیارہ رکعات ہی تھا اور یحییٰ بن سعید کے بیان کے موافق حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کا عمل بھی گیارہ رکعات ہی تھا۔

پھر محمد بن اسحاق کا بیان "ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بماہ رمضان تیرہ رکعات پڑھتے تھے" بھی امام مالک، یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کے بیانات مذکورہ کے خلاف و منافی نہیں بشرطیکہ صاحب آثار السنن کی توجیہ "تیرہ رکعات میں بعد از عشاء والی دو رکعات شامل ہیں" کو تسلیم کر لیا جائے باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب و تمیم داری کا ذکر نہ ہونا ان کے بیانات سے مخالفت و منافات نہیں کما تقدم ہاں اگر صاحب آثار السنن کی توجیہ اور اس قسم کی کسی اور توجیہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر محمد بن اسحاق کا بیان عبدالعزیز بن محمد کے بیان کے منافی ہوگا کیونکہ اس میں ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اس میں ہے کہ تیرہ رکعات پڑھتے تھے البتہ محمد بن اسحاق کا بیان اس صورت میں بھی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف و منافی نہیں کیونکہ امام مالک کے بیان میں گیارہ کے حکم اور یحییٰ بن سعید کے بیان میں ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کا تذکرہ ہے اور محمد بن اسحاق کے بیان میں ان دونوں چیزوں (حضرت عمرؓ کے گیارہ کا حکم دینے اور ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ پڑھنے) کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ عدم ذکر کو نفی نہیں کہا جاسکتا۔

رہا داؤد بن قیس کا بیان "حضرت عمرؓ نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں اکیس رکعات پر جمع کیا" تو وہ واقعی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف و منافی ہے بشرطیکہ وہ مقبول ہو البتہ وہ عبدالعزیز

ابن محمد اور محمد بن اسحاق کے بیانات کے خلاف ومنافی نہیں تو پتہ چلا کہ صاحب رسالہ کا فرمان "اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں" محل نظر ہے فتدبر۔

وثانیاً: قال العلامة الزرقانی فی شرح المؤطا: وقوله: ان مالکا انفرد به۔ لیس کما قال فقد رواہ سعید بن منصور من وجه اٰخر من محمد بن یوسف فقال: احدی عشرة۔ کما قال مالک۔ اھ (ج ۱ ص ۲۳۹) وقال الحافظ فی الفتح: لم یقع فی هذہ الروایة عدد الرکعات التی کان یصلی بها ابی بن کعب وقد اختلف فی ذالک ففی المؤطا عن محمد ابن یوسف عن السائب بن یزید انها احدی عشرة ورواہ سعید بن منصور من وجه اٰخر الخ (ج ۴ ص ۲۵۳) وقال صاحب آثار السنن: ما قاله ابن عبد البر من وهم مالک فغلط جدا لان مالکا قد تابعه عبد العزیز بن محمد عند سعید بن منصور فی سننه ویحیی بن سعید القطان عند ابی بکر بن ابی شیبة فی مصنفه کلاهما عن محمد بن یوسف وقالا احدی عشرة کما رواہ مالک عن محمد بن یوسف، واخرج محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال: کنا نصلی فی زمن عمر فی رمضان ثلاث عشرة رکعة۔ انتهی قلت: هذا قریب مما رواہ مالک عن محمد بن یوسف ای مع الرکعتین بعد العشاء۔ اھ (التعلیق الحسن ص ۲۰۳)

ترجمہ: ثانیاً۔ علامہ زرقانی نے مؤطا کی شرح میں فرمایا۔ اس کا قول کہ مالک اس روایت میں اکیلے ہیں۔ صحیح نہیں کیونکہ سعید بن منصور نے ایک دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے بیان کیا اور فرمایا "گیارہ رکعتیں" جس طرح مالک نے فرمایا اھ (ج ا ص ۲۳۹) اور حافظ نے فتح میں فرمایا اس روایت میں ان رکعات کی تعداد مذکور نہیں جو ابی بن کعب پڑھاتے تھے اور اس کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ

موطا میں محمد بن یوسف نے سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ وہ گیارہ رکعتیں تھیں اور سعید بن منصور نے اسے ایک اور سند کے ساتھ بیان کیا ہے الخ ج ۴ صـ۲۵۳ اور صاحب آثار السنن نے فرمایا: ابن عبدالبر نے جو مالک کا وہم بنایا ہے بہت ہی غلط ہے کیونکہ مالک کی متابعت سنن سعید بن منصور میں عبدالعزیز بن محمد نے کی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں یحیی بن سعید قطان نے کی ہے دونوں نے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے اور گیارہ رکعتیں ذکر کی ہیں جس طرح مالک نے محمد بن یوسف سے بیان کیا۔ اور محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے انتہی میں کہتا ہوں یہ اس روایت کے قریب ہے جو مالک نے محمد بن یوسف سے بیان کی یعنی عشاء کے بعد کی دو رکعتیں ملا کر۔ (التعلیق الحسن صـ۲۰۳)

تو منقولہ بالا عبارات دلالت کر رہی ہیں کہ یحیی بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد نے امام مالک کی متابعت کی ہے اور متابعت موافقت کا نام ہے نہ کہ مخالفت کا چنانچہ شرح نخبہ میں لکھا ہے:

"وما تقدم ذکرہ من الفرد النسبی ان وجد بعد ظن کونہ فردا قد وافقہ غیرہ فھو المتابع" (صـ۴۴)

ترجمہ: اور جس فرد نسبی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسے فرد سمجھنے کے بعد اگر کوئی دوسرا راوی مل جائے جس نے اس کی موافقت کی ہو تو وہ متابع ہے۔

نیز ایک توجیہ کے مطابق محمد بن اسحاق بھی امام مالک رحمہ اللہ کی متابعت کرتا ہے جیسا کہ صاحب آثار السنن کے کلام سے مترشح ہو رہا ہے۔

وثالثا: قال الحافظ ابن الصلاح: المضطرب من الحدیث ھو الذی تختلف الروایۃ فیہ فیرویہ بعضھم علی وجہ وبعضھم علی

وجه اخر مخالف له، وانما نسميه مضطربا اذا تساوت الروايات اما اذا ترجحت احداهما بحيث لا تقاومها الاخرى بان يكون راويها احفظ او اكثر صحبة للمروى عنه او غير ذالك من وجوه الترجيحات المعتمدة فالحكم للراجحة ولا يطلق عليه حينئذ وصف المضطرب ولا له حكمه - اه (علوم الحديث ص٨٤) وفى التدريب شرح التقريب: (النوع التاسع عشر المضطرب هو الذى يروى على اوجه مختلفة) من راو واحد مرتين او اكثر او من راويين او رواة (متقاربة) وعبارة ابن الصلاح متساوية وعبارة ابن جماعة متقاومة بالواو والميم اى ولا مرجح (فان رجحت احدى الروايتين) او الروايات (بحفظ راويها) مثلا (او كثرة صحبته المروى عنه او غير ذالك) من وجوه الترجيحات (فالحكم للراجحة ولا يكون) الحديث (مضطربا) لا الرواية الراجحة كما هو ظاهر ولا المرجوحة بل هى شاذة او منكرة كما تقدم. اه (ص١٦٩) وفى شرح النخبة: او ان كانت المخالفة بابداله اى الراوى ولا مرجح لاحدى الروايتين على الاخرى فهذا هو المضطرب وهو يقع فى الاسناد غالبا وقد يقع فى المتن لكن قل ان يحكم المحدث على الحديث بالاضطراب بالنسبة الى اختلاف فى المتن دون الاسناد. اه وفى حاشيته: قوله: ولا مرجح الخ فان ترجحت بان يكون راويها احفظ او اكثر صحبة للمروى عنه سيما اذا كان ولده او قريبه او مولاه او بلديه او غير ذالك من وجوه الترجيح المعتمدة ككونه حين التحمل بالغا او سماعه من لفظ شيخه فالحكم للراجح ولا يكون الحديث حينئذ مضطربا وكذا ان امكن الجمع بحيث يمكن ان يكون المتكلم معبرا بالفظين فاكثر عن معنى واحد ويحمل كل منهما على حالة لانا فى الاخرى شرح الشرح - اه (ص٧٩) وفى شرح النخبة

ایضا: فان خولف بارجح منه لمزید ضبط او کثرة عدد او غیر ذالک من وجوه الترجیحات فالراجح یقال له المحفوظ و مقابله وهو المرجوح یقال له الشاذ و هذا هو المعتمد فی تعریف الشاذ بحسب الاصطلاح وان وقعت المخالفة مع الضعف فالراجح یقال له المعروف و مقابله یقال له المنکر۔ اھ مقتصرا (ص ۴۲، ۴۳) و فی شرح النخبة ایضا: وان کانت المعارضة بمثله فلا یخلوا اما ان یمکن الجمع بین مدلولیھا بغیر تعسف اولا فان امکن الجمع فھو النوع المسمی بمختلف الحدیث اھ (ص ۴۷)

ترجمہ: ثالثا۔ حافظ ابن صلاح نے فرمایا: مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے چنانچہ کوئی اسے ایک طرح روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ پر جو پہلے کے مخالف ہو۔ ہم اسے مضطرب کا نام صرف اس وقت دیں گے جب دونوں روایتیں (قوت میں) برابر ہوں لیکن جب ان دونوں میں سے ایک کو ایسی ترجیح حاصل ہو جائے کہ دوسری اس کے بالمقابل نہ رکھی جا سکتی ہو اس وجہ سے کہ اس کا راوی حافظے میں زیادہ ہو یا جس سے روایت کر رہا ہے اس کی صحبت اسے زیادہ میسر رہی ہو یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی صورت موجود ہو تو راجح روایت کے حق میں فیصلہ ہو گا اور اسے مضطرب نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس کا حکم مضطرب والا ہو گا (علوم الحدیث ص ۸۴) اور تقریب کی شرح تدریب میں ہے۔ انیسویں[۱۹] قسم مضطرب ہے جو ایک ہی راوی سے دو یا زیادہ مرتبہ یا دو راویوں سے یا زیادہ راویوں سے ایسی مختلف وجوہ کے ساتھ روایت کی جائے جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں ابن صلاح کی عبارت یہ ہے کہ وہ وجوہ ایک دوسری کے برابر ہوں اور ابن جماعۃ کی عبارت یہ ہے کہ وہ ایک دوسری کی برابر کی مد مقابل ہوں۔ اور ان وجوہ کے درمیان ترجیح دینے والی کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اگر ان دو روایات یا زیادہ روایات میں سے کسی ایک کو

ترجیح حاصل ہو جائے مثلاً اس کے راوی کے حافظ کی وجہ سے یا مروی عنہ کے ساتھ اس کی صحبت کی وجہ سے یا ترجیح کے اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے تو فیصلہ راجح روایت کے حق میں ہوگا۔ اور وہ حدیث مضطرب نہیں ہوگی۔ نہ راجح روایت مضطرب ہوگی جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ ہی مرجوح روایت کیونکہ وہ اس صورت میں شاذ یا منکر ہوگی جیسا کہ گذر چکا۔ انتہی ص ۱۷۹ اور شرح نخبہ میں ہے "اور اگر مخالفت راوی کے بدل دینے کے ساتھ ہو اور دونوں روایتوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے والی کوئی چیز بھی موجود نہ ہو تو اس کا نام مضطرب ہے اور یہ اکثر سند میں ہوتی ہے اور کبھی کبھی متن میں بھی واقع ہوتی ہے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ محدث حدیث پر اضطراب کا حکم سند کے بغیر صرف متن کے اختلاف کی وجہ سے لگائے۔ انتہی اور اس کے حاشیہ میں ہے قولہ:" ولا مرجح "تو اگر ایک روایت راجح ہو جائے اس وجہ سے کہ اس کا راوی زیادہ حافظ ہو یا مروی عنہ کے ساتھ زیادہ رہا ہو بالخصوص جب وہ اس کا لڑکا یا رشتہ دار یا غلام یا اس کے شہر میں رہنے والا ہو

یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی قابل اعتماد صورت ہو مثلاً اس کا راوی حدیث حاصل کرنے کے وقت بالغ ہو یا اس نے خود شیخ کے لفظ سنے ہوں تو اس قسم کی ترجیح حاصل ہو جانے کی صورت میں راجح روایت کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اس وقت حدیث مضطرب نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر تطبیق ممکن ہو اس طرح کہ متکلم نے ایک ہی معنی کو دو یا زیادہ لفظوں کے ساتھ تعبیر کر دیا ہو یا دونوں میں سے ہر ایک لفظ کو کسی ایک حالت پر محمول کر دیا جائے جو دوسری حالت کے منافی نہ ہو شرح نخبہ ہی میں ہے۔ پس اگر ایک روایت کی مخالفت ایسی روایت کے ساتھ کی جائے جو ضبط کی زیادتی یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے یا ترجیح کی وجوہ میں سے کسی وجہ سے راجح ہے تو راجح کو محفوظ کہا جائے گا اور اس کی مقابل کو جو مرجوح ہے شاذ کہا جائے گا

اصطلاح کے اعتبار سے شاذ کی یہی تعریف قابل اعتماد ہے اور اگر مخالفت ضعف کے ساتھ واقع ہو تو راجح کو معروف اور اس کی مقابل کو منکر کہا جائے گا انتہی بقدر ضرورت (ص ۴۲، ۴۳) اور شرح نخبہ ہی میں ہے اگر مخالفت ہم مثل روایت کے ساتھ ہو تو یا تو دونوں کے مفہوم میں بلا تکلف تطبیق ممکن ہو گی یا نہیں اگر تطبیق ممکن ہو تو اس قسم کا نام "مختلف الحدیث" ہے انتہی (ص ۴۷)

وحاصل هذه العبارات ان الحديث اذا روي على اوجه مختلفة فان امكن الجمع من غير تعسف فهو مختلف الحديث او ترجح احدها بطريق من طرق الترجيح المعتبرة فالراجح محفوظ او معروف والمرجوح شاذ او منكر وان لم يمكن الجمع ولا الترجيح فالحديث مضطرب فالاختلاف الذي يمكن رفعه بالجمع او الترجيح ليس باضطراب في عرف اصول الحديث۔

(ترجمہ) ان عبارت سے حاصل یہ ہوا کہ ایک حدیث جب مختلف وجوہ پر روایت کی جائے تو اگر تکلف کے بغیر تطبیق ممکن ہو تو وہ مختلف الحدیث ہے یا ترجیح کی معتبر وجوہ میں سے کسی وجہ کے ساتھ ایک روایت کو ترجیح حاصل ہو جائے تو راجح کا نام محفوظ یا معروف اور مرجوح کا نام شاذ ہے یا منکر۔ اور اگر نہ ہی تطبیق ممکن ہو اور نہ ترجیح تو وہ حدیث مضطرب ہے تو وہ اختلاف جسے تطبیق یا ترجیح کے ساتھ ختم کیا جا سکتا ہو اصول حدیث کی رو سے اضطراب نہیں ہے۔

پس کتب اصول حدیث کی مندرجہ بالا عبارات شہادت دے رہی ہیں کہ اگر مختلف بیانات میں ترجیح یا تطبیق کی کوئی معقول و مقبول صورت نکل آئے تو روایت کو اصطلاحاً مضطرب نہیں کہا جائے گا اور اس مقام پر ترجیح اور تطبیق کی صورت موجود ہے لہذا مصنف صاحب کا فرمان "پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے" درست نہیں ہاں جامع ترمذی کے بعض مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ترجیح اور تطبیق کی موجودگی میں بھی روایت کو مضطرب کہا جا سکتا ہے تو

پھر حضرت المؤلف کا بیان "یہ روایت مضطرب ہے الخ" درست ہوگا۔

ورابعاً: اگر امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مضطرب قرار دیا جائے تو پھر داود بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی مضطرب قرار دینا پڑے گا کیونکہ محمد بن یوسف کے باہم مختلف بیانات والے پانچ شاگردوں میں داود بن قیس بھی شامل ہیں چنانچہ حضرت المؤلف کے پیش کردہ نقشہ سے صاف صاف ظاہر ہے تو جیسے صاحب رسالہ کے خیال میں بوجہ اضطراب امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ویسے ہی بوجہ اضطراب داود بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں حالانکہ حضرت المؤلف نے اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش فرمودہ دلائل میں سے سب سے پہلے داود بن قیس والی روایت کو پیش فرمایا ہے اگر کہا جائے کہ صاحب رسالہ نے تو داود بن قیس کی روایت کو بعد از ترجیح یا تطبیق دلیل بنایا ہے تو پھر امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت سے استدلال کرنے والے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بھی آخر گیارہ رکعات والی روایت کو ترجیح یا تطبیق کے بعد ہی دلیل بنایا ہے رہی یہ بات کہ کونسی ترجیح یا تطبیق درست ہے تو اس پر کلام ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وخامساً: جس طریقہ سے حضرت المؤلف نے گیارہ رکعت والی روایت کو مضطرب بنایا اگر اس طریقہ کو اختیار کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیس رکعات والی روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف، یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے بیانات باہم مختلف ہیں جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ

۱ - (محمد بن یوسف)	۲ - یزید بن خصیفہ	۳ - (حارث بن عبدالرحمان)
ان کے پانچ شاگردوں کے مذکورہ بیانات کو ذہن	۱ - ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے (مالک اور	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیام تیئیس رکعات کا تھا

(جاری ہے)

میں رکھیں جن کو حضرت المولف باہم مختلف قرار دے چکے ہیں نیز ایک نقشہ دے کر انہوں نے ان کے اختلاف کی صورت کو واضح کیا	محمد بن جعفر) ۲- لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے ۔ (ابن ابی ذئب) (پہلے بیان میں اپنے عمل کا ذکر ہے لوگوں کے عمل کا ذکر نہیں دوسرے بیان میں اس کا عکس نیز پہلے بیان میں وتر کا ذکر ہے دوسرے میں وتر کا ذکر نہیں پھر ان دونوں بیانوں میں حکم کا ذکر نہیں اور نہ ہی ابی بن کعب و تمیم کا نیز گیارہ، تیرہ اور اکیس کی بجائے بیس کا ذکر ہے	(اس میں بھی حکم کا ذکر ہے نہ ہی ابی بن کعب و تمیم کا پھر گیارہ، تیرہ، بیس اور اکیس کی بجائے تئیس کا ذکر ہے)

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک بیان کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت المؤلف بطرق ثلاثہ اس روایت کو اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش فرما چکے ہیں رہی ترجیح و تطبیق والی بات تو اس پر کلام آرہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب اگر ترجیح کی راہ اختیار کی جائے تو محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت کو ترجیح ہوگی جیسا کہ تینوں بزرگوں کی روایات کی اسانید پر کلام سے ظاہر ہے مگر اس میں یہ نقص ہے کہ ترجیح کی راہ تب اختیار کی جاتی ہے جب رواۃ کے بیانات میں مخالفت و منافات ہو اور وہ اس مقام پر ہے ہی نہیں جیسا کہ تدبرو تامل کرنے سے ظاہر ہے ہاں صاحب رسالہ کے انداز فکر کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر حضرت سائب بن یزید کے تینوں شاگردوں کے بیانات باہم مختلف ہیں۔ نیز یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے بیانات میں نہ تو حضرت

Scanned with CamScanner

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کے عمل کا بلکہ ان میں تو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ لوگوں کے بیس رکعات پڑھنے کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم تھا یا نہیں تو ان دو بزرگوں کے بیانات سے بیس رکعات کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں۔

۱۲ - ترجیح و تطبیق کی تحقیق

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

"حافظ ابن عبد البر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں گیارہ اور اکیس میں اکیس کو ترجیح (قوت) دی اور گیارہ کو مرجوح (کمزور) قرار دیا اور اس کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کردی گئی ہوں اور زرقانی مالکی نے اسی تطبیق کو پسند کیا اور کہا کہ امام بیہقی نے بھی مختلف روایتوں کو اسی طرح جمع کیا ہے (زرقانی شرح مؤطا جلد اص ۲۱۵) اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اسی تطبیق کو پسند کیا خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اور علامہ شوکانی نیل الاوطار میں تطبیق کی صورت اختیار کی۔" اھ (ص ۲۴)۔

اولاً: قال الزرقانی فی شرح الموطا، (ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ) قال الباجی: لعل عمر اخذ ذالک من صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففی حدیث عائشۃ انہا سئلت عن صلاتہ فی رمضان فقالت: ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ- وقال ابن عبد البر: روی غیر مالک فی ہذا الحدیث احدی وعشرون وھو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ احدی عشرۃ

الاما لكا ويحتمل ان يكون ذالك اولا ثم خفف عنهم طول القيام ونقلهم الى احدى وعشرين الا ان الاغلب عندى ان قوله: احدى عشرة وهم. انتهى ولا وهم مع ان الجمع بالاحتمال الذى ذكره قريب وبه جمع البيهقى ايضا وقوله: ان مالكا انفرد به. ليس كما قال فقد رواه سعيد بن منصور من وجه آخر عن محمد بن يوسف فقال احدى عشرة. كما قال مالك. اھ (ج ۱ ص ۲۳۹)

وقال صاحب آثار السنن: ما قاله ابن عبد البر من وهم مالك فغلط جدا لان مالكا قد تابعه عبد العزيز بن محمد الى آخر مانقلنا قبل من التعليق الحسن. وقال على القارى فى المرقاة: (باحدى عشرة ركعة) اى فى اول الامر كما قال ابن عبد البر هذه الرواية وهم والذى صح انهم كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة واعترض بأن سند تلك صحيح ايضا ويجاب بانه لعلهم فى بعض الليالى قصدوا التشبيه به صلى الله عليه وسلم فانه صح عنه انه صلى بهم ثمانى ركعات والوتر وان كان الذى استقر عليه امرهم العشرين ورواية ثلاث وعشرين حسب راويها الثلاثة الوتر فانه جاء انهم كانوا يوترون بثلاث وهذا يدل على ان الوتر ثلاث على ما تقرر عليه اخر الامر وانه غير داخل فى صلاة الليل. اھ (ج ۳ ص ۱۹۲) وقال صاحب تحفة الاحوذى بعد نقل رد الزرقانى والنيموى لقول ابن عبد البر: ان الاغلب عندى ان قوله احدى عشرة وهم. مانصه: فلما ثبت ان الامام مالكا لم ينفرد بقوله: احدى عشرة. بل تابعه عليه عبد العزيز بن محمد وهو ثقة ويحيى بن سعيد القطان امام الجرح والتعديل قال الحافظ فى التقريب: ثقة متقن حافظ امام ظهر لك حق الظهور ان قول ابن عبد البر: ان الاغلب عندى ان قوله احدى عشرة وهم

ایس بصحیح، بل لو تاملت ظهر لك ان الامر علی خلاف ما قال ابن عبد البر

اعنی ان الاغلب ان قول غیر مالك فی هذا الاثر احدی وعشرون کما فی

روایة عبد الرزاق وهم فانه قد انفرد هو باخراج هذا الاثر بهذا اللفظ

ولم یخرجه به احد غیره فیما اعلم وعبد الرزاق وان کان ثقة حافظا

لکنه قد عمی فی اخر عمره فتغیر کما صرح به الحافظ فی التقریب واما الامام

مالك فقال الحافظ فی التقریب: امام دار الهجرة راس المتقنین وکبیر

المتثبتین حتی قال البخاری: اصح الاسانید کلها مالك عن نافع عن ابن

عمر۔ انتهی ومع هذا لم ینفرد هو باخراج هذا الاثر بلفظ احدی عشرة

بل اخرجه ایضا بهذا اللفظ سعید بن منصور وابن ابی شیبة کما عرفت

فالحاصل ان لفظ احدی عشرة فی اثر عمر الخطاب المذکور صحیح ثابت

محفوظ ولفظ احدی وعشرون فی هذا الاثر غیر محفوظ والاغلب

انه وهم۔ اھ (ج ۲ ص۷۴) وقال الحافظ فی تهذیب التهذیب

وقال ابن المدینی سمعت ابن مهدی یقول: کان وهیب لا یعدل

بمالك احدا۔ وقال ایضا: وکان ابن مهدی لا یقدم علی مالك احدا۔ و

قال ایضا: وقال النسائی: ما عندی بعد التابعین انبل من مالك ولا اجل

منه ولا اوثق ولا آمن علی الحدیث منه الخ (ج ۱۰ ص ۸-۷-۹)

ترجمہ: اولاً۔ زرقانی نے موطا کی شرح میں فرمایا ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة (

باجیؒ نے فرمایا کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے لی ہو کیونکہ حضرت عائشہؓ

کی حدیث میں ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا

آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور ابن عبد البر نے فرمایا

کہ مالک کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس حدیث میں اکیس رکعتیں روایت کیں

اور یہی صحیح ہے اور مجھے مالک کے علاوہ کوئی شخص معلوم نہیں جس نے گیارہ روایت

کی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے گیارہ ہی ہوں پھر لوگوں سے لمبے قیام میں تخفیف

کر دی گئی ہو اور انہیں اکیس رکعتوں کی طرف منتقل کر دیا ہو۔ مگر میرے نزدیک زیادہ غالب یہی ہے کہ گیارہ رکعت وہم ہے انتہی۔ اور جب اس احتمال کے ساتھ تطبیق بالکل آسان ہے جو ابن عبد البر نے بیان کیا تو یہ لفظ وہم نہیں ہے اور بیہقی نے بھی یہی تطبیق دی ہے اور اس نے جو یہ کہا کہ مالک اس میں اکیلے ہیں تو یہ بات اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے فرمائی کیونکہ سعید بن منصور نے ایک دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے روایت کی ہے اور فرمایا "گیارہ رکعتیں" جس طرح مالک نے فرمایا اھ (ج ا ص ۲۲۹) اور صاحب آثار السنن نے فرمایا کہ ابن عبد البر نے جو مالک کا وہم قرار دیا ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مالک کی متابعت عبد العزیز بن محمد نے کی ہے۔ آخر عبارت تک جو اس سے پہلے ہم نے التعلیق الحسن سے نقل کی ہے اور علی قاری نے مرقاۃ میں فرمایا (باحدی عشرۃ رکعۃ) یعنی شروع شروع میں (گیارہ رکعتیں تھیں) جیسا کہ ابن عبد البر نے کہا کہ یہ روایت وہم ہے اور ثابت یہی ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعتیں قیام کرتے تھے اور یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سند تو اس (گیارہ) کی بھی صحیح ہے جواب یہ دیا جائے گا کہ شاید انہوں نے بعض راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبیہ کا ارادہ کیا ہو کیونکہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے لوگوں کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ اگرچہ ان کا معاملہ بیس پر آ ٹھہرا۔ اور تیئیس رکعت والی روایت میں راوی نے تین وتر بھی شمار کر لئے کیونکہ آیا ہے کہ لوگ تین وتر پڑھتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخر میں معاملہ اسی بات پر آ ٹھہرا کہ وتر تین ہیں اور وہ صلاۃ لیل میں داخل نہیں انتہی ج ۳ ص ۱۹۲ اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے ابن عبد البر کے قول (میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے) پر زرقانی اور نیموی کا رد نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ صاحب تحفہ کی بلفظہ عبارت کا ترجمہ۔ تو جب ثابت ہو گیا کہ مالک اپنے قول گیارہ رکعت میں اکیلے نہیں بلکہ اس لفظ پر ان کی متابعت عبد العزیز نے کی ہے اور وہ ثقہ ہیں اور جرح و تعدیل کے امام یحیی بن سعید قطان

نے بھی متابعت کی ہے جن کے متعلق حافظ نے تقریب میں فرمایا "ثقہ متقن حافظ، امام" تو تمہارے لیے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ابن عبدالبر کا قول "کہ میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے صحیح نہیں بلکہ اگر تم تدبر کرو گے تو تمہیں ظاہر ہو جائے گا کہ اصل معاملہ اس بات کے برعکس ہے جو ابن عبدالبر نے کہی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ اس اثر میں مالک کے غیر کا قول اکیس رکعت جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے وہم ہے کیونکہ اس اثر کو ان لفظوں کے ساتھ روایت کرنے میں صرف عبدالرزاق اکیلا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کے علاوہ کسی نے اسے ان لفظوں میں روایت نہیں کیا۔ اور عبدالرزاق اگرچہ ثقہ اور حافظ ہیں مگر وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تو متغیر ہو گئے۔ جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کی تصریح کی ہے رہے امام مالکؒ تو حافظ نے تقریب میں فرمایا۔ دارالہجرت کے امام متقنین کے رئیس اور متثبتین کے سردار ہیں یہاں تک کہ بخاری نے فرمایا کہ تمام سندوں سے زیادہ صحیح سند" مالک عن نافع عن ابن عمر" ہے۔ انتہی۔ علاوہ ازیں مالک اس اثر کو گیارہ کے لفظ کے ساتھ روایت کرنے میں اکیلے نہیں بلکہ سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ نے اس اثر کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے تو حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے اثر مذکور میں گیارہ کا لفظ صحیح ثابت محفوظ ہے اور اکیس کا لفظ غیر محفوظ ہے اور زیادہ غالب یہ ہے وہ وہم ہے۔ اھ (ج ۲ ص ۷۴) اور حافظ نے تہذیب التہذیب میں فرمایا۔" اور ابن مدینی نے کہا میں نے ابن مہدی سے سنا کہ وہ کسی کو مالکؒ کے برابر قرار نہیں دیتے تھے اور یہ بھی کہا کہ ابن مہدی مالک پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے۔ اور یہ بھی فرمایا" اور نسائی نے کہا میرے نزدیک تابعین کے بعد مالکؒ سے زیادہ کوئی شخص نہ باشرف ہے نہ زیادہ جلیل القدر نہ زیادہ ثقہ اور نہ ان سے کوئی شخص حدیث میں زیادہ امین ہے الخ

(جلد ۱۰ ص ۸ ۔ ۹)

حضرت المؤلف نے حافظ ابن عبدالبر کے اکیس رکعات والی روایت کو راجح

Scanned with CamScanner

اور امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مرجوح قرار دینے کو تو شرح زرقانی سے نقل فرمایا مگر شارح زرقانی کی تنقید و تردید بر قول ابن عبدالبر در ترجیح کو رسالہ میں ذکر کرنا تو درکنار انہوں نے اس کی طرف ادنیٰ اشارہ کرنے کو گوارا تک نہیں فرمایا حالانکہ جس مقام سے وہ حافظ ابن عبدالبر کی ترجیح کو نقل فرما رہے ہیں اسی مقام پر علامہ زرقانی کی تنقید و تردید بھی موجود ہے جیسا کہ شرح زرقانی کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے۔

محمد بن یوسف کا شاگرد داود بن قیس اکیس رکعات کہنے میں منفرد ہے اور اپنے سے اوثق رواۃ کی مخالفت بھی کر رہا ہے تو اصول حدیث کی رو سے اس کی روایت مرجوح ہو گی اور اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے اگر کہا جائے کہ حافظ عبدالرزاق کی کتاب مصنف سے پتہ چلتا ہے کہ داود بن قیس کا متابع بھی موجود ہے کیونکہ وہاں لفظ ہیں " داود بن قیس وغیرہ " تو جواباً عرض ہے کہ یہ غیرہ مبہم اور مجہول ہے لا یدری من ھو اس لیے اس متابعت کا کوئی اعتبار نہیں دیکھئے حضرت المؤلف نے بھی اس غیرہ کو درخور اعتناء نہیں سمجھا ورنہ وہ فرماتے " محمد بن یوسف کے کم از کم چھ شاگرد ہیں " الخ نون کے بیان اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے الخ " سے واضح ہے کہ اس غیرہ کا ان کو بھی کوئی اتہ پتہ نہیں چہ داود بن قیس کے بیان کے محمد بن یوسف کے دیگر چار شاگردوں کے بیانات کے مخالف ہونے کا حضرت المؤلف کو بھی اعتراف اور اقرار ہے جیسا کہ ان کے دیئے ہوئے نقشہ سے صاف ظاہر ہے۔ رہا یہ پہلے تو محمد بن یوسف کے پانچ شاگردوں کے بیانات میں ترجیح پر بات ہو رہی تھی جو اس نتیجہ پر پہنچی کہ امام مالک، یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کا بیان " گیارہ رکعات " راجح اور داود بن قیس کا بیان " اکیس رکعات " مرجوح ہے رہی حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف، یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے بیانات میں ترجیح تو اس مقام پر محمد بن یوسف کا بیان راجح

ہے کیونکہ وہ یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمان سے اوثق ہے اس لئے کہ حضرت العلام نے بالخصوص محمد بن یوسف کی توثیق میں "ثقۃ ثبت" دو لفظ نقل فرمائے ہیں اور یزید بن خصیفہ کی توثیق میں "ثقۃ" صرف ایک ہی لفظ نقل فرمایا ہے اور شرح نخبہ میں ہے :

"ومن المھم ایضا معرفۃ مراتب التعدیل وارفعھا الوصف ایضا بما دل علی المبالغۃ فیہ واصرح ذالک التعبیر بافعل کاوثق الناس او اثبت الناس والیہ المنتھی فی التثبت ثم ما تاکد بصفۃ من الصفات الدالۃ علی التعدیل او صفتین کثقۃ ثقۃ او ثبت ثبت او ثقۃ حافظ او عدل ضابط او نحو ذالک الخ"

"اور اہم باتوں میں سے تعدیل کے مراتب کی پہچان بھی ہے ان میں سب سے بلند مرتبہ یہ ہے کہ ایسے لفظ سے تعریف کی جائے جو اس وصف میں مبالغہ پر دلالت کرے اور اس میں سب سے زیادہ صریح وہ ہے جو افعل (تفضیل) کے لفظوں کے ساتھ بیان کی جائے مثلاً اوثق الناس ، اثبت الناس ۔ الیہ المنتھی فی التثبت پھر جس کی تاکید کسی صفت سے کی جائے جو تعدیل پر دلالت کرنے والی ہو یا دو صفتوں کے ساتھ موکد ہو مثلاً ثقۃ ثقۃ یا ثبت ثبت یا ثقۃ حافظ یا عدل ضابط یا اس جیسے الفاظ الخ"

اور تدریب شرح تقریب میں لکھا ہے :

"(والفاظ التعدیل مراتب) ذکرھا المصنف کابن الصلاح تبعا لابن ابی حاتم اربعۃ وجعلھا الذھبی والعراقی خمسۃ وشیخ الاسلام ستۃ (اعلاھا) بحسب ما ذکرہ المصنف (ثقۃ او متقن او ثبت او حجۃ او عدل حافظ او) عدل (ضابط) واما المرتبۃ التی زادھا الذھبی والعراقی فانھا اعلی من ھذہ وھو ما کرر فیہ احد ھذہ الالفاظ المذکورۃ اما بعینہ کثقۃ ثقۃ اولا کثقۃ ثبت او ثقۃ حجۃ او ثقۃ حافظ والرتبۃ التی زادھا شیخ الاسلام

اعلی من مرتبۃ التکریر وھی الوصف بافعل کاوثق الناس واثبت الناس اونحوہ کالیہ المنتھی فی التثبت قلت ، ومنہ لا احد اثبت منہ ومن مثل فلان ؟ وفلان لا یسأل عنہ ولم ار من ذکر ھذہ الثلاثۃ وھی الفاظھم فالمرتبۃ التی ذکرھا المصنف اعلی ھی ثالثۃ فی الحقیقۃ۔" اھ (ص ۲۳۰)۔

"پس تعدیل کے الفاظ کے چند مرتبے ہیں، مصنف نے ابن صلاح کی طرح ابن ابی حاتم کی پیروی میں چار مرتبے ذکر کئے ہیں اور ذہبی اور عراقی نے یہ مراتب پانچ بنائے ہیں اور شیخ الاسلام نے چھ بنائے ہیں ۔ ان سب سے بلند مصنف کے ذکر کے اعتبار سے (ثقہ یا متقن یا ثبت یا حجۃ یا عدل حافظ یا عدل ضابط) ہے اور ذہبی اور عراقی نے جو مرتبہ زیادہ کیا ہے وہ اس مرتبہ سے بلند ہے اور وہ وہ ہے جس میں مذکورہ الفاظ بعینہ مکرر لائے جائیں یا کوئی دو لفظ مکرر لائے جائیں مثلاً ثقہ ثقہ یا ثقہ ثبت یا ثقہ حجۃ یا ثقہ حافظ اور جو مرتبہ شیخ الاسلام نے زیادہ کیا ہے وہ تکریر کے مرتبہ سے بھی بلند ہے اور وہ وہ ہے جس میں افعل (تفضیل) کے ساتھ وصف بیان کیا جائے مثلاً اوثق الناس، اثبت الناس یا اس جیسے الفاظ مثلاً الیہ المنتھی فی التثبت میں کہتا ہوں اسی مرتبے سے یہ لفظ بھی ہیں "اس سے زیادہ پختہ کوئی نہیں" اور "فلاں کی مثل کون ہے" ؟ اور فلاں کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا" اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ تین لفظ ذکر کیے ہوں حالانکہ تعدیل کے الفاظ میں یہ لفظ بھی آتے ہیں تو وہ مرتبہ جو مصنف نے اعلیٰ قرار دیا ہے درحقیقت وہ تیسرا ہے"

اھ (ص ۲۳۰)

تو محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ کے بارے میں حضرت المؤلف کے نقل کردہ الفاظ توثیق کے لحاظ سے محمد بن یوسف تعدیل کے دوسرے مرتبہ میں اور یزید بن خصیفہ توثیق کے تیسرے مرتبہ میں ہیں لہٰذا محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ

سے اوثق ہیں تو ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو ہو گی نہ کہ یزید بن خصیفہ کی روایت کو اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ درجہ ثقاہت میں یہ دونوں بزرگ برابر ہیں تو بھی کثرت صحبت اور رشتہ داری کی بنا پر ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو دی جائے گی۔ اور کثرت صحبت اور رشتہ داری کا وجوہ ترجیح میں شامل ہونا پہلے باحوالہ بیان ہو چکا ہے۔

رہے حارث بن عبدالرحمان تو محمد بن یوسف کا ان سے اوثق ہونا ظاہر بات ہے کیونکہ محمد بن یوسف تو ثقہ ثبت ہیں اور حارث بن عبدالرحمان صدوق یہم رہا حارث بن عبدالرحمان کا رجال مسلم سے ہونا تو وہ اتنے سے تو محمد بن یوسف کے برابر بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ محمد بن یوسف سے اوثق بنیں کیونکہ کسی راوی کا دوسرے درجہ کا ثقہ ہونا مسلم کی شرط نہیں ہے جبکہ عالم یہ ہے کہ حارث بن عبدالرحمان تو مسلم کے رجال سے ہیں اور محمد بن یوسف بخاری اور مسلم دونوں کے رجال سے ہیں پھر محمد بن یوسف میں ترجیح کی دو اور وجہیں کثرت صحبت اور حضرت سائب سے رشتہ داری بھی موجود ہیں نیز حارث بن عبدالرحمان کی روایت کی سند محمد بن یوسف کی روایت کی سند کے ہم پلہ نہیں کیونکہ محمد بن یوسف سے بیان کرنے والے تو راس المتقنین، کبیر المتثبتین اور اوثق الناس بعد التابعین حضرت الامام مالک، امام الجرح والتعدیل ثقہ متقن اور حافظ یحیی بن سعید القطان اور ثقہ عبدالعزیز بن محمد ہیں اُدھر حارث بن عبدالرحمان سے بیان کرنے والے اسلمی صاحب ہیں جن کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے تو ان وجوہ ترجیح کی بنا پر محمد بن یوسف کی روایت راجح اور حارث بن عبدالرحمان کی روایت مرجوح ٹھہرے گی۔

باقی یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے ایک دوسرے کا متابع ہونے سے بھی وہ دونوں محمد بن یوسف کے درجہ ثقاہت کو نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ مراتب تعدیل و توثیق، محمد بن یوسف کے مرتبہ ثقاہت ثقہ ثبت، یزید بن خصیفہ کے درجہ ثقاہت ثقہ اور حارث بن عبدالرحمان کے مقام عدالت

صدوق ہیں پر تدبر کرنے سے واضح ہے چلو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یزید اور حارث دونوں مل کر درجۂ ثقاہت میں محمد بن یوسف کے برابر ہیں لیکن ترجیح کی دو اور وجہوں کثرت صحبت اور رشتہ داری سے محمد بن یوسف تو بہرہ ور ہیں اور یزید و حارث دونوں ان دو وجوہ سے محروم ہیں یہ بھی تسلیم کہ کثرت صحبت میں بھی یہ دونوں محمد بن یوسف کے برابر ہیں مگر عمر رضی عنہ سے رشتہ داری والی وجہ ترجیح سے تو یہ دونوں بہرحال محروم ہیں نیز یزید و حارث سے نیچے کے سب راوی محمد بن یوسف سے نیچے کے سب راویوں کے ہم پلہ نہیں ہیں کما تقدم تو اصول حدیث کے لحاظ سے محمد بن یوسف کی روایت راجح اور یزید و حارث کی روایت مرجوح ہے اور بقول حضرت المؤلف "اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے"۔ پھر محمد بن یوسف کی روایت راجح ہونے کی اور وجوہ بھی ہیں جیسا کہ ترجیح کی پچاس سے زائد وجوہ پر غور و فکر کرنے سے ظاہر ہے۔

رابعاً: حنفیہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے لہٰذا ترجیح کی کسی صورت مقبولہ کے ہوتے ہوئے ان کے ہاں تطبیق کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا چنانچہ صاحب فیض الباری تحریر فرماتے ہیں:

"واعلم ان الحديثين اذا لاح بينهما تعارض فالحكم عندنا ان يحمل اولا على النسخ فيجعل احدهما ناسخا والآخر منسوخا ثم يتنزل الى الترجيح فان لم يظهر وجه ترجيح احدهما على الآخر يصار الى التطبيق فان امكن فيها والا فالى التساقط هذا هو الترتيب عند التعارض عندنا كما في التحرير وعند الشافعية يبدأ اولا بالتطبيق ثم بالنسخ ثم بالترجيح ثم بالتساقط قلت: وما اختاره الشافعية رأي حسن في بادئ النظر وما يظهر بعد التعمق هو ان ما ذهبنا اليه اولى لان الترتيب بين التطبيق والتساقط ظاهر فان التساقط انما هو عند تعذر التطبيق وما دام

امکن الجمع لا معنی للتساقط وکذا تقدیم الترجیح علی التطبیق ایضا واضح فان الاخذ بالراجح مما جبل علیہ الانسان فھو مودع فی فطرتہ الا تری انک اذا سمعت رجلا افتاک فی مسألۃ بجواب ثم تسمع رجلا افضل منہ یجیب بغیر جوابہ تاخذ بما اجاب بہ الافضل بدون تامل ولا ترکن الی قول المفضول اصلا وھذا ھو الاخذ بالراجح من حیث لا تدریہ اھ (المقدمۃ ص ۵۲)

ترجمہ: اور جان کہ جب دو حدیثوں کے درمیان تعارض سامنے آئے تو اس کا حکم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پہلے اسے نسخ پر محمول کیا جائے چنانچہ ایک کو ناسخ بنا دیا جائے اور دوسری کو منسوخ پھر نسخ سے اتر کر ترجیح کی طرف رخ کیا جائے اگر ایک حدیث کی دوسری پر ترجیح کی وجہ ظاہر نہ ہو تو تطبیق کی راہ اختیار کی جائے اگر ممکن ہو تو بہتر ورنہ دونوں کو ساقط سمجھا جائے۔ تعارض کی صورت میں ہمارے نزدیک یہی ترتیب ہے جیسا کہ التحریر میں ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک پہلے تطبیق سے ابتدا کی جائے گی پھر نسخ پھر ترجیح اور پھر تساقط۔ میں کہتا ہوں شافعیہ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے بادی النظر میں اچھی رائے ہے لیکن گہری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری رائے اولی ہے کیونکہ تطبیق اور تساقط کے درمیان ترتیب ظاہر ہے کیونکہ تساقط ہوتا ہی اسی وقت ہے جب تطبیق ناممکن ہو جب تک تطبیق ممکن ہو تساقط کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح تطبیق پر ترجیح کا مقدم ہونا بھی واضح ہے کیونکہ راجح بات کو اخذ کرنا ایسی چیز ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے چنانچہ یہ اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ جب آپ کو کوئی آدمی کسی مسئلہ میں کوئی فتوی دے پھر آپ کو کسی ایسے آدمی سے جو پہلے سے افضل ہو اس مسئلہ میں پہلے شخص کے فتوی کے علاوہ کوئی فتوی سنیں تو آپ بلا تامل اس فتوی کو اخذ کریں گے جو افضل نے دیا ہے اور مفضول کے قول کی طرف مائل نہیں ہوں گے اور یہی چیز راجح کو اخذ کرنا ہے جو ہم نہ جانتے

Scanned with CamScanner

ہوئے بھی کرتے ہیں (مقدمہ ص ۵۲)

اقول: ان شئت ان تعرف ما علی کلام صاحب الفیض هذا وغیرہ فارجع الی انتقادات شیخنا بارک الله تعالی فی علمه وعمله ورزقه وعمرہ علی الفیض المسماۃ بارشاد القاری وسوف تطبع ان شاء الله تعالی وانما المقصود ههنا بیان ان الترجیح مقدم علی التطبیق عند الحنفیة۔

(ترجمہ) میں کہتا ہوں اگر آپ صاحب فیض کے اس کلام اور دوسرے کلام پر جو اعتراض اور خرابیاں لازم آتی ہیں جاننا چاہیں تو ہمارے شیخ (بارک الله فی علمه وعمله ورزقه وعمرہ) نے فیض الباری پر جو انتقادات ارشاد القاری کے نام کے ساتھ لکھے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ وہ طبع ہو جائیں گے۔ یہاں مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ حنفیہ کے ہاں ترجیح تطبیق پر مقدم ہے۔

تو اصول کے اعتبار سے عند الحنفیہ اس مقام پر تطبیق کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس جگہ ترجیح کی صورت موجود ہے لیکن حضرت المؤلف نے چونکہ تطبیق کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اس لیے ان کی پیش فرمودہ تطبیق کا جائزہ لینا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

دراںحا: حضرت المؤلف نے جو تطبیق نقل فرمائی وہ یہ ہے "کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں" مگر بندہ کو گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی کوئی دلیل نہیں ملی نہ تو حضرت المؤلف کے کلام میں اور نہ ہی حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر، علامہ زرقانی، علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ شوق صاحب نیموی صاحب آثار السنن، علامہ باجی مالکی اور دیگر مشاہیر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں بلکہ بندہ نے اپنی ناقص یادداشت کے مطابق

گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی آج تک کوئی دلیل نہ کہیں پڑھی اور نہ کسی سے سنی لہذا حضرت المؤلف کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ برائے مہربانی اس مذکور تطبیق کی کوئی دلیل بیان فرمائیں۔

وخامسا: حضرت المؤلف کی عبارت بتلا رہی ہے کہ مذکور تطبیق احتمال پر مبنی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں " اس کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں" تو ان کے الفاظ "حکم دیا ہو" اور "کر دی گئی ہوں" پر غور کرنے سے مذکور تطبیق کا مبنی بر احتمال ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے پھر حافظ ابن عبدالبر کے الفاظ " ویحتمل ان یکون ذالک اولا ثم خفف عنہم طول القیام ونقلہم الی احدی وعشرین الخ " (احتمال ہے کہ یہ پہلے ہو پھر ان سے لمبے قیام میں تخفیف کر دی ہو اور انہیں اکیس رکعات کی طرف منتقل کر دیا ہو) علامہ زرقانی کے الفاظ " ولا وھم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکرہ قریب " (اور وہم بالکل نہیں کیونکہ مذکورہ احتمال کے ساتھ تطبیق ممکن ہے) اور علامہ عینی کے الشیخ مکرم کے الفاظ " لعل ھذا کان من فعل عمر اولا ثم نقلہم الی ثلاث وعشرین " (شاید حضرت عمرؓ کا یہ فعل پہلے ہو پھر آپ نے انہیں تئیس کی طرف منتقل کر دیا ہو) بھی حضرت المؤلف وغیرہ کی نقل کردہ تطبیق کے احتمالی ہونے پر صراحۃً دلالت کر رہے ہیں۔

وسادسا: اگر احتمالی تطبیق ہی کو اختیار کرنا ہے تو پھر احتمالی تطبیقات اور بھی ہیں ان سے کسی کو اختیار کیا جا سکتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

والجمع بین ھذہ الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذالک الاختلاف بحسب تطویل القراءۃ وتخفیفھا فحیث یطیل القراءۃ تقل الرکعات وبالعکس وبذالک جزم الداؤدی وغیرہ والعدد

الاول (ای احدی عشرۃ) موافق لحدیث عائشۃ المذکور بعد
ھٰذا الحدیث فی الباب والثانی (ای ثلاث عشرۃ) قریب منہ
والاختلاف فیما زاد عن العشرین راجع الی الاختلاف فی الوتر وکانہ
کان تارۃ یوتر بواحدۃ وتارۃ بثلاث"۔ اھ فتح الباری ج ۴ ص۲۵۳)

(ترجمہ) اور ان روایات میں مختلف احوال کا لحاظ رکھتے ہوئے تطبیق ممکن
ہے اور احتمال ہے کہ یہ اختلاف قراءۃ کو طویل اور کم کرنے کے اعتبار سے ہو تو
جب قراءۃ لمبی ہو تو رکعات کم ہوں اور اس کے برعکس قراءۃ ہلکی ہو تو رکعات
زیادہ ہوں۔ داؤدی وغیرہ نے اسی کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور پہلی تعداد
(گیارہ) حضرت عائشہ کی اس حدیث کے موافق ہے جو اس حدیث کے بعد
باب میں ذکر ہوئی ہے اور دوسری (تیرہ) اس سے قریب ہے اور بیس سے
زائد کا اختلاف، وتر کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
کبھی ایک وتر پڑھا جاتا تھا کبھی تین۔ انتہی (فتح الباری ج ۴ ص۲۵۳)

اقول: ویؤید ما جزم بہ الداودی وغیرہ ما ذکرہ صاحب
آثار السنن فی باب التراویح باکثر من ثمان رکعات عن داود بن
الحصین انہ سمع الاعرج یقول: ما ادرکت الناس الا وھم
یلعنون الکفرۃ فی رمضان قال وکان القاری یقرأ سورۃ البقرۃ فی
ثمان رکعات فاذا قام بھا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ
قد خفف رواہ مالک واسنادہ صحیح۔ اھ (ص۲۰۳)

(ترجمہ) میں کہتا ہوں۔ داؤدی وغیرہ نے جو بات یقین سے کہی ہے
اس کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے جو صاحب آثار السنن نے آٹھ رکعت
سے زیادہ تراویح کے باب میں داؤد بن حصین سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے
اعرج سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے لوگوں کو اسی حال پر پایا کہ وہ رمضان
میں کافروں پر لعنت کرتے تھے فرمایا کہ قاری سورہ بقرہ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا

تھا تو جب وہ اسے بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس لئے تخفیف کر دی ہے اسے مالکؒ نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔ اھ ص ۲۰۳)

وقال المحدث المبارکفوری: قد جمع البیھقی وغیرہ بین روایتی السائب المختلفتین المذکورتین بانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ رکعۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث

قلت: فیہ انہ لقائل ان یقول بانھم کانوا یقومون اولا بعشرین رکعۃ ثم کانوا یقومون باحدی عشرۃ رکعۃ وھذا ھو الظاھر لان ھذا کان موافقا لما ھو الثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذاک کان مخالفا لہ فتفکر۔ اھ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۶)

(ترجمہ) اور محدث مبارکپوریؒ نے فرمایا "بیہقی وغیرہ نے سائب کی مذکورہ دونوں مختلف روایتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ پہلے گیارہ رکعت قیام کرتے تھے پھر بیس رکعت قیام کرنے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ ہے کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ پہلے بیس رکعت قیام کرتے تھے پھر گیارہ رکعت قیام کرنے لگے اور ظاہر یہی بات ہے۔ کیونکہ یہ اس تعداد کے مطابق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور وہ اس کے مخالف ہے فتفکر۔ اھ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۶)

اقول: دلیل ۸ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ قد ارشدھم الی اعطاء الافضل فی وقت القیام بقولہ: والتی ینامون عنھا افضل من التی یقومون۔ یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ واعطاء الافضل فی کیفیۃ القیام بجمعہ ایاھم علی قارئ واحد ویظھر ذالک من قولہ: لو جمعت ھؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل۔ فلم یکن رضی اللہ تعالی عنہ لیرشدھم فی کمیۃ القیام الا الی الافضل ایضا ولذالک کان امر ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ وکان القارئ یقرأ بالمئین وکانوا یعتمدون ت

على الحصى من طول القيام وما كانوا ينصرفون الا فى فروع الفجر و انما كان هذا العدد فى القيام افضل لثبوته عن النبى صلى الله عليه وسلم ومن المعلوم ان خير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وقد قال صلى الله عليه وسلم للثلاثة الذين تقالوا عبادته: انتم الذين قلتم كذا وكذا اما والله انى لاخشاكم لله واتقاكم له الخ وهو يدل على ان ما وافق سنة النبى صلى الله عليه وسلم وطريقته ولو كان قليلا افضل مما خالفها ولو كان كثيرا فالقيام باحدى عشرة او ثلاث عشرة وان كان قليلا فى بادى الرأى افضل من القيام بثلاث و عشرين وست وثلاثين وان كان كثيرا فى بادى الرائى لموافقة الاول سنة النبى صلى الله عليه وسلم ومخالفة الثانى اياها وقد ثبت ان طول القيام والقراءة افضل من كثرة الركوع والسجود فى صلاة التطوع وهو مذهب ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد وهو قول الشافعى قال الطحاوى فى شرح معانى الآثار: وممن قال بهذا القول الآخر فى اطالة القيام وانه افضل من كثرة الركوع والسجود محمد بن الحسن حدثنى بذالك ابن ابى عمران عن محمد بن سماعة عن محمد بن الحسن وهو قول ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى (ج ۱ ص ۳۲۱)

ترجمہ: میں کہتا ہوں۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے قیام کے وقت میں بھی لوگوں کی راہنمائی افضل وقت کی طرف فرمائی یہ کہہ کر کہ جس وقت یہ لوگ سو جاتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں قیام کرتے ہیں یعنی رات کا آخری حصہ اور لوگ رات کے شروع حصہ میں قیام کرتے تھے۔ اور قیام کی کیفیت میں بھی افضل کی طرف رہنمائی کی کہ انہیں ایک قاری پر جمع کر دیا اور یہ بات ان کے اس قول سے ظاہر ہے کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو افضل ہو تو قیام کی تعداد میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی رہنمائی

Scanned with CamScanner

افضل کی طرف ہی کر سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں اور قاری سو سو آیات کی سورتیں پڑھتا اور لوگ طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے۔ اور فجر کے قریب جاکر ہی فارغ ہوتے تھے اور قیام میں یہ تعداد اس لیے افضل ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور معلوم ہے کہ سب طریقوں سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کو فرمایا جنہوں نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا تھا کہ کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں یاد رکھو! اللہ کی قسم یقیناً میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت رکھنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا تقوی رکھنے والا ہوں الخ۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو عمل آپ کی سنت اور طریقے کے مطابق ہو خواہ کم ہی ہو اس عمل سے افضل ہے جو آپ کی سنت اور طریقے کے مخالف ہو خواہ وہ زیادہ ہی ہو تو گیارہ یا تیرہ رکعت قیام اگرچہ بظاہر نظر کم ہے تیئیس اور چھتیس رکعت قیام سے افضل ہے اگرچہ ظاہر دیکھنے میں وہ زیادہ ہی ہے کیونکہ پہلی تعداد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے اور دوسری اس کے مخالف ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نفل نمازمیں قیام اور قرأت کا طویل ہونا رکوع سجود کی کثرت سے افضل ہے یہ ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد کا مذہب ہے اور شافعی کا قول بھی یہی ہے طحاوی نے شرح معانی الآثار میں فرمایا "جو لوگ اس آخری قول یعنی قیام طویل کرنے اور کثرۃ رکوع وسجود سے اس کے افضل ہونے کے قائل ہیں ان میں محمد بن حسن بھی شامل ہیں۔ مجھے یہ بات ابن ابی عمران نے محمد بن سماعۃ سے بیان کی انہوں نے محمد بن حسن سے۔ اور یہی قول ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہے (ج ۱ ص ۳۲۱)۔

وقال الحافظ فی الفتح: وروی محمد بن نصر من طریق داود بن قیس قال: ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر

ابن عبد العزیز یعنی بالمدینة یقومون بست وثلاثین رکعة ویوترون بثلاث وقال مالک هو الامر القدیم عندنا وعن الزعفرانی عن الشافعی رأیت الناس یقومون بالمدینة بتسع وثلاثین وبمکة بثلاث وعشرین ولیس فی شئ من ذالک ضیق وعنہ قال: ان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وان اکثروا السجود واخفوا القراءة فحسن والاول احب الی۔ اھ (ج ۴ ص ۲۵۳)

(ترجمہ) اور حافظ نے فتح الباری میں فرمایا۔" اور محمد بن نصر نے داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو ابان بن عثمان اور عمر ابن عبد العزیز کی (مدینہ میں) امارت کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا کہ یہ ہمارے ہاں قدیم دستور ہے اور زعفرانی نے شافعی سے بیان کیا کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں دیکھا کہ انتالیس رکعت قیام کرتے تھے اور مکہ میں تئیس رکعت اور ان میں سے کسی میں بھی مضائقہ نہیں اور شافعی سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ اگر قیام طویل کر دیں اور سجود کی تعداد کم کر دیں تو اچھا ہے اور سجود زیادہ کریں اور قراءۃ ہلکی کر دیں تو بھی اچھا ہے اور پہلی بات مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اھ (ج ۴ ص ۲۵۳)

فظهران القيام باحدى عشرة او ثلاث عشرة اذا طيل القيام والقراءة فيها افضل عند الامامين الهمامين ابي حنيفة والشافعي ايضا من القيام بثلاث وعشرين وتسع وثلاثين واحدى واربعين اذا خفف القراءة والقيام فيها والعمل في بلادنا اليوم ان الذين يصلون احدى عشرة او ثلاث عشرة تكون قراءتهم مساوية لقراءة الذين يصلون ثلاثا وعشرين الا نادرا وكذا يكون قيام الاولين اطول من قيام الآخرين غالبا فيكون عمل الاولين في قيام رمضان افضل عند ابي حنيفة والشافعي ايضا من عمل الآخرين فيه فتدبر۔

ثم التطبيق الذی حکاہ صاحب الرسالة عن ابن عبد البر وغیرہ قد بنی علی تخفیف القیام والقراءة فی ثلاث وعشرین او احدی وعشرین کما یظہر ذالک من عبارۃ ابن عبد البر نفسه ومن ترجمتہا الاردویة التی ذکرها المصنف ویظہر ذالک من کلام الباجی ایضا حیث قال : فامرهم اولا بتطویل القراءة لانه افضل ثم ضعف الناس فامرهم بثلاث وعشرین فخفف من طول القراءة واستدرک بعض الفضیلة بزیادة الرکعات وقال ایضا : وکان الامر علی ذالک الی یوم الحرة فثقل علیهم القیام فنقصوا من القراءة وزادوا الرکعات فجعلت ستا وثلاثین غیر الشفع والوتر وذکر ابن حبیب انها کانت اولا احدی عشرة کانوا یطیلون القراءة فثقل علیهم فخففوا القراءة وزادوا فی عدد الرکعات فکانوا یصلون عشرین رکعة غیر الشفع والوتر بقراءة متوسطة ثم خففوا القراءة وجعلوا الرکعات ستا وثلاثین غیر الشفع والوتر، ومضی الامر علی ذالک وروی محمد بن نصر عن داود بن قیس قال : ادرکت الناس فی امارة ابان بن عثمان وعمر بن عبد العزیز یعنی بالمدینة یقومون بست وثلاثین رکعة ویوترون بثلاث وقال مالک هو الامر القدیم عندنا ۔ اھ (شرح الموطا للزرقانی ج ا ص ۲۳۹)

ترجمہ : اس سے ظاہر ہوا کہ گیارہ یا تیرہ رکعت تراو[illegible] میں قیام اور قراءۃ طویل کیے جائیں دونوں جلیل القدر ائمہ ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی تیئیس، انتالیس اور اکتالیس رکعت قیام سے افضل ہے جب کہ ان میں قیام اور قراءۃ ہلکے ہوں۔ ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو لوگ گیارہ یا تیرہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قراءۃ تیئیس رکعت پڑھنے والوں کی قراءت

کے برابر ہی ہوتی ہے الا نادراً اسی طرح اول الذکر لوگوں کا قیام آخر الذکر حضرات کے قیام سے عموماً لمبا ہوتا ہے تو پہلے لوگوں کا عمل قیام رمضان میں دوسرے حضرات کے قیام سے ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی افضل ہوگا۔ فتدبر۔

پھر وہ تطبیق جو صاحب رسالہ نے ابن عبدالبر وغیرہ سے بیان کی ہے اس کی بنا تئیس یا اکتالیس رکعتوں میں قیام اور قرارت کی تخفیف پر ہے جیسا کہ یہ بات خود ابن عبدالبر کی عبارت اور اس کے اس اردو ترجمہ سے ظاہر ہے جو مصنف نے کیا ہے اور یہی بات باجی کے اس کلام سے بھی ظاہر ہورہی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں "تو آپ نے پہلے انہیں قراءۃ طویل کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ افضل ہے پھر لوگ کمزور ہوگئے تو انہیں تئیس کا حکم دیا اور طول قرارت میں تخفیف کردی اور اس سے فضیلۃ میں جو کمی آئی تھی اس کا کچھ حصہ رکعتیں زیادہ کرکے پورا کردیا۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "اور یوم حرہ تک معاملہ اسی طریقے پر رہا پس لوگوں پر قیام بھاری ہوگیا تو انہوں نے قراءۃ کم کردی اور رکعات زیادہ کردیں چنانچہ رکعات کی تعداد جفت اور وتر کے علاوہ چھتیس کردی گئی اور ابن حبیب نے ذکر کیا کہ تراویح پہلے گیارہ تھیں لوگ ان میں قراءت لمبی کرتے تھے تو یہ ان پر بھاری ہوگئی تو انہوں نے قراءۃ ہلکی کر دی اور رکعتوں کی تعداد میں اضافہ کردیا چنانچہ وہ جفت اور وتر کے بغیر درمیانی قرارت کے ساتھ بیس رکعت پڑھتے تھے پھر انہوں نے قرارت میں تخفیف کردی اور رکعات جفت اور وتر کے بغیر چھتیس کردیں اور معاملہ اسی پر چل نکلا" اور محمد بن نصر نے داؤد بن قیس سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو (مدینہ میں) ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا ہمارے ہاں یہی امر قدیم ہے"۔ اھ (شرح موطا للزرقانی ج ا ص ۲۳۹)

فیکون عمر رضی اللہ تعالی عنہ علی رأی ھؤلا امرھم اولا

بالافضل ثم نقلهم الی غیر الافضل وشان عمر رضی الله تعالی عنه اجل وارفع من هذا کما یفصح من ارشاده ایاهم الی القیام فی آخر اللیل وجمعه ایاهم علی قاریٔ واحد وانما راعی الافضل فیهما فلم یکن لیراعی الافضل فی وقت القیام وکیفه ویدعها فی کمه، ثم لا دلیل لامر عمر رضی الله تعالی عنه ایاهم بثلاث وعشرین کما نقل مرنعم قد ثبت ان عمر رضی الله تعالی عنه امرابیا وتمیما رضی الله تعالی عنهما ان یقوما للناس باحدی عشرة فتامل۔

ثم قول الباجی: واستدرک بعض الفضیلة بزیادة الرکعات۔ ظاهر فی ان فی زیادة الرکعات استدراکا لبعض فضیلة طول القیام والقراءة لا کل فضیلته۔ فالتطبیقات التی ذکرها العلماء ههنا ثلاث الاول ماذکره ابن عبد البر والبیهقی وغیرهما والثانی ماذهب الیه الداودی وغیره والثالث انهم کانوا یصلون احدی عشرة تارة وتارة ثلاث عشرة وتارة عشرین وقد اشار الیه الحافظ بقوله: والجمع بین هذه الروایات ممکن باختلاف الاحوال۔ وههنا تطبیق رابع قد ذکره صاحب تحفة الاحوذی ولا یذهب عدک ان معنی التطبیق الجمع والتوفیق فی الثانی والثالث اشد وازید من الرابع فتفکر۔

ترجمہ، تو ان لوگوں کی رائے کے مطابق حضرت عمرؓ نے انہیں پہلے افضل کا حکم دیا ہو گا پھر انہیں غیر افضل کی طرف منتقل کر دیا ہو گا حالانکہ حضرت عمرؓ کی شان اس بات سے نہایت بلند ہے۔ جیسا کہ آپ کے ان کی رات کے آخر حصہ میں قیام کی طرف رہنمائی اور انہیں ایک قاری پر جمع کرنے سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے اور آپ نے ان دونوں چیزوں میں افضل کا خیال رکھا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمرؓ قیام کے وقت اور کیفیت میں تو افضل کا خیال رکھیں اور کمیت (تعداد) میں اس

کا خیال چھوڑ دیں۔ پھر اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ آپ نے لوگوں کو تئیس رکعت کا حکم دیا جیسا کہ گذر چکا۔ ہاں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں فتامل۔

پھر باجی کے اس قول "فضیلت کی کچھ کمی رکعتیں زیادہ کرکے پوری کی" سے ظاہر ہے کہ رکعتیں زیادہ کرنے سے قیام اور قراءت کے طویل ہونے کی فضیلت کی کچھ کمی پوری ہو سکتی ہے تو علماء نے اس مقام پر جو تطبیقیں ذکر کی ہیں تین ہیں پہلی وہ جو ابن عبد البر اور بیہقی وغیرہ نے ذکر کی دوسری وہ جس کی طرف داؤدی وغیرہ گئے ہیں تیسری یہ کہ کبھی لوگ گیارہ پڑھتے تھے کبھی تیرہ اور کبھی بیس۔ اس تطبیق کی طرف حافظ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ ان روایات کے درمیان احوال کے اختلاف کا لحاظ کرتے ہوئے تطبیق ممکن ہے اور اس مقام پر ایک چوتھی تطبیق بھی ہے جو صاحب تحفۃ الاحوذی نے ذکر کی ہے۔ پھر آپ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ تطبیق اور جمع کا مفہوم دوسری اور تیسری تطبیق میں پہلی اور چوتھی تطبیق کی بہ نسبت زیادہ ہے فتفکر۔

رابعاً: اگر کوئی صاحب فرمائیں مانا کہ حنفیہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے مگر آپ کے نزدیک تو تطبیق ترجیح سے مقدم ہے تو جواباً عرض ہے کہ یہ درست لیکن محدث مبارکپوری اور علامہ داؤدی وغیرہ کی پیش کردہ تطبیقات بھی تو آخر تطبیقات ہی ہیں انہیں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے البتہ اتنی بات یاد رہے کہ یہ ترجیح و تطبیق والی ساری گفتگو حضرت المؤلف کے انداز فکر کو پیش نظر رکھنے پر مبنی ہے ورنہ بندہ کے نزدیک تو محمد بن یوسف کے بیان "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا" اور یزید و حارث کے بیانات میں تعارض تو سرے سے ہے ہی نہیں کیونکہ یزید اور حارث کے بیانات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کی نفی نہیں کی گئی ان میں تو صرف لوگوں کے عمل کا ذکر ہے کہ وہ بیس رکعات پڑھتے تھے یا ہم بیس رکعات پڑھتے تھے یا قیام بیس

رکعات تھا تو لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو خواہ گیارہ کا حکم دینے کے بعد کسی صورت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں ہے تو جب حضرت سائب بن یزید کے اصحاب ثلاثہ کے بیانات میں تعارض ہی نہیں تو اس مقام پر نہ تطبیق کی ضرورت ہے اور نہ ہی ترجیح کی اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ لوگوں کا گیارہ کے حکم سے پہلے بیس رکعات پڑھنا تو واقعی گیارہ کے حکم سے متعارض نہیں مگر گیارہ کے حکم کے بعد لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا گیارہ کے حکم سے کیونکر متعارض نہیں تو جواباً گذارش ہے کہ وہ اس لیے متعارض نہیں کہ لوگوں کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کے بعد بیس رکعات پڑھنے سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کی نفی نہیں ہوتی نہ مطابقۃً، نہ ہی تضمناً اور نہ ہی التزاماً زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم گیارہ رکعات سے بڑھ کر از خود بیس رکعات پڑھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے حکم ہی پر اکتفا کرتے ہوئے انہیں بیس پڑھنے سے منع نہ فرمایا پھر اس لیے بھی کہ بیس رکعات قیام رمضان بھی آخر نفلی عبادت ہی ہے گو رتبہ میں گیارہ رکعات قیام رمضان کے بوجوہ برابر نہیں مگر یہ بھی تب لازم آتا ہے جب کہ لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم گیارہ رکعات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بیس رکعات پڑھنا ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں نیز یاد رہے کہ بیس رکعات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع نہ فرمانے کا کسی روایت میں صراحۃً ذکر نہ ہونے سے ان کا بیس رکعات سے منع نہ فرمانا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے منع فرمانا ثابت ہوتا ہے بہرحال لوگوں کا بیس پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو یا بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں لہٰذا اس مقام پر نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ ہی ترجیح کی رہا یہ سوال کہ کئی اہل علم نے تطبیق یا ترجیح کی راہ اختیار فرمائی ہے تو وہ ان بزرگوں کی تحقیق ہے بندہ نے اپنی تحقیق پیش کی ہے

Scanned with CamScanner

فتدبر۔

وثامنا: حضرت المؤلف نے علامہ شوکانی کے تطبیق کو اختیار کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے سو وہ تطبیق وہی ہے جس کا حافظ ابن حجر کے کلام میں ذکر ہو چکا ہے البتہ مناسب ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں علامہ شوکانی کی تحقیق بھی نقل کر دی جائے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"قال الحافظ: والجمع بين هذه الروايات ـــــ الى ان قال: هذا حاصل ماذكره فى الفتح من الاختلاف فى ذالك واما العدد الثابت عنه صلى الله عليه وسلم فى صلاته فى رمضان فاخرج البخارى وغيره عن عائشة انها قالت: ما كان النبى صلى الله عليه وسلم يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشرة ركعة - واخرج ابن حبان فى صحيحه من حديث جابر انه صلى الله عليه وسلم صلى بهم ثمان ركعات ثم اوتر. واخرج البيهقى عن ابن عباس كان يصلى فى شهر رمضان فى غير جماعة عشرين ركعة والوتر. زاد سليم الرازى فى كتاب الترغيب له ويوتر بثلاث. قال البيهقى: تفرد به ابوشيبة ابراهيم بن عثمان وهو ضعيف. واما مقدار القراءة فى كل ركعة فلم يرد به دليل والحاصل ان الذى دلت عليه احاديث الباب وما يشابهها هو مشروعية القيام فى رمضان والصلاة فيه جماعة وفرادى فقصر الصلاة المسماة بالتراويح على عدد معين وتخصيصها بقراءة مخصوصة لم يرد به سنة." اھ
(نيل الاوطار ج ۳ ص۵۳)

حافظ نے فرمایا۔ اور ان روایتوں کے درمیان تطبیق ـــــ یہاں تک کہ شوکانی نے کہا کہ یہ اس اختلاف کا خلاصہ ہے جو فتح الباری میں اس مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔ رہی وہ تعداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے تو بخاری وغیرہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں

نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جابر کی حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں پھر وتر پڑھایا۔ اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ سلیم رازی نے اپنی کتاب الترغیب میں یہ لفظ زیادہ کہے ہیں کہ اور تین وتر پڑھتے تھے" بیہقی نے فرمایا: اس میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ رہ گئی ہر رکعت میں قراءت کی مقدار تو اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں آئی۔ حاصل یہ ہے کہ باب کی احادیث اور اس کی ہم شکل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ رمضان کے قیام اور اسے اکیلے اکیلے یا باجماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے تو اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کر دینا اور کسی مخصوص قراءۃ کے ساتھ خاص کر دینا کسی حدیث میں نہیں آیا۔" اھ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۳)

اقول: لم يرد الشوكاني بقوله: فقصر الصلاة المسماة بالتراويح على عدد معين الخ ان العدد المعين في صلاة رمضان لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم كما يزعمه بعض الناس اليوم والدليل على عدم ارادته ذالك ما قال قبل: واما العدد الثابت عنه صلى الله عليه وسلم في صلاته في رمضان الخ وانما اراد بقوله: فقصر الصلاة المسماة بالتراويح الخ ما اشار اليه بقوله قبل واما فعلها على الصفة التي يفعلونها الآن من ملازمة عدد مخصوص وقراءة مخصوصة في كل ليلة فسياتي الكلام عليه. اھ (نيل الاوطار ج ۳ ص ۵۲) والكلام الموعود اتيانه قبل هو قوله: فقصر الصلاة الخ

فائدة: قال الشوكاني في النيل في شرح قول صاحب المنتقى:

Scanned with CamScanner

ولمالك في الموطا عن يزيد بن رومان قال: كان الناس في زمن عمر يقومون في رمضان بثلاث و عشرين ركعة - مانصه بلفظه: قوله: (بثلاث وعشرين ركعة) قال ابن اسحاق: و هذا اثبت ماسمعت في ذالك - ووهم في ضوء النهار فقال: ان في سنده اباشيبة وليس الامر كذالك الخ (ج ۳ ص۵۳)

اقول: وقد تقدم في كلام الحافظ والعيني مايدل على ان قول ابن اسحاق: وهذا اثبت ماسمعت في ذالك - في حق رواية محمد ابن يوسف عن السائب بن يزيد قال: كنانصلي في زمن عمر في رمضان ثلاث عشرة ركعة - وليس قوله المذكور في حق رواية يزيد بن رومان قال: كان الناس في زمن عمر يقومون في رمضان بثلاث وعشرين ركعة - كماتوهمه الشوكاني، فوهم صاحب ضوء النهار في قوله: ان في سند رواية يزيد بن رومان اباشيبة - ووهم صاحب النيل في جعل قول ابن اسحاق: وهذا اثبت ماسمعت في ذالك - في حق رواية يزيد بن رومان وليس الامر كذالك فتفكر -

(ترجمہ) میں کہتا ہوں شوکانی کا مقصد اپنے قول "تراویح کو کسی معین عدد پر بند کرنا الخ" سے یہ نہیں ہے کہ رمضان کی نماز میں معین عدد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کا خیال ہے اور ان کا مقصد یہ نہ ہونے کی دلیل وہ قول ہے جو انہوں نے اس سے پہلے فرمایا۔ ہے کہ "رہی وہ تعداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے الخ" بلکہ ان کا مقصد نماز کو عدد معین پر بند نہ کرنے سے وہ ہے جس کی طرف اس عبارت سے پہلے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا" لیکن اس نماز کو اس طریقے پر ادا کرنا جس طرح آج کل کرتے ہیں کہ ہر رات خاص تعداد اور خاص قراءت کی پابندی کرتے تھے تو اس پر کلام عنقریب آئے گا۔ اھ (نیل الاوطار ج ۳ ص۵۲)

اس عبارت میں جس کلام کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ہے جس میں کہا ہے کہ تراویح کو کسی عدد معین پر بند کرنا" الخ

فائدہ: شوکانی نے نیل میں صاحب المنتقی کے قول۔ "وبما لك في الموطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس في زمن عمر يقومون في رمضان بثلاث وعشرين ركعة" کی شرح میں فرمایا ـــــ قولہ (بثلاث وعشرين ركعة) ابن اسحاق نے کہا یہ سب سے زیادہ پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی اور ضوء النہار میں مصنف کو وہم ہوا ہیں کہا ہے کہ اس کی سند میں ابوشیبہ ہے۔ حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے الخ (ج ۳ ص ۵۳)

میں کہتا ہوں حافظ اور عینی کے کلام میں اس بات کی دلیلیں گذر چکی ہیں کہ ابن اسحاق کا قول" کہ یہ سب سے زیادہ پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی" محمد بن یوسف کی سائب بن یزید سے اس روایت کے بارہ میں ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان کا یہ قول یزید بن رومان کی روایت کے بارے میں نہیں ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس رکعت قیام کرتے تھے۔ جیسا کہ شوکانی کو وہم ہوا ہے تو صاحب ضوء النہار کو اپنے اس قول میں وہم ہوا ہے کہ یزید بن رومان کی روایت میں ابوشیبہ ہے اور صاحب نیل کو یہ وہم ہوا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کا قول" هذا اثبت ما سمعت الخ یزید بن رومان کی روایت کے حق میں قرار دے دیا ہے حالانکہ اصل معاملہ یہ نہیں ہے۔ فتفکر۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

"بہر حال یہ روایت (گیارہ والی) ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد جمہور امت کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ ثابت ہوگا کہ عہد فاروقی میں چند

روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہوگیا اور جب سے موقوف ہوا اس وقت سے تیرھویں صدی کے اواخر تک پھر کبھی اس پر عمل دراً مد نہیں ہوا۔" (ص ۲۴)۔

اولاً: صاحب رسالہ کا بیان" اور ترجیح یا تطبیق کے بعد الخ" حافظ ابن عبدالبر مالکی کی بیان کردہ ترجیح اور تطبیق پر مبنی ہے جن کا حال پہلے تفصیلاً گذر چکا ہے تو جب مصنف صاحب کے اس فرمان کی بنیاد ہی انتہائی غلط اور احتمالی ہے تو پھر ان کا یہ فرمان کیونکر درست اور غیر احتمالی ہوسکتا ہے فتدبر۔

وثانیا: پہلے آثار باحوالہ بیان ہو چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب وتمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں، ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ پھر پہلے یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے امر اور لوگوں کے عمل گیارہ رکعات کو بدلنے کی کوئی دلیل نہیں لہذا حضرت المؤلف کا دعوی "عہد فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہوگیا" بے دلیل ہے۔

وثالثا: حضرت المؤلف کا فرمان" اس وقت سے تیرھویں صدی کے اواخر تک پھر کبھی اس پر عمل دراً مد نہیں ہوا" بھی مبنی پر حقیقت اور صادر از انصاف نہیں جیسا کہ امام مالک اور ابو بکر بن العربی کے گیارہ رکعات اور محمد بن اسحاق کے تیرہ رکعات اختیار کرنے سے ظاہر ہے نیز تیئیس رکعات، انتالیس رکعات اور اکتالیس رکعات پڑھنے والے گیارہ رکعات پڑھتے رہے ہیں کیونکہ کم عدد زیادہ عدد کے اندر شامل ہوتا ہے چنانچہ قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ نے اپنے بعض رسائل میں بیس پڑھنے والوں کے آٹھ رکعات سنت نبویہ کے عامل ہونے کی تصریح فرمائی ہے تو جب سے گیارہ رکعات پر عمل شروع ہوا اس وقت سے لے

Scanned with CamScanner

کہ آج تک ان پر عمل موقوف ہوا نہ رہتی دنیا تک موقوف ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ
پھر جب گیارہ اور تیرہ رکعات پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کی مہر
ثبت ہے تو تیرہویں صدی تو تیرھویں صدی ہے خواہ قیامت تک کے لوگ ان
پر عمل درآمد نہ کریں ان (گیارہ اور تیرہ رکعات) کی سنیت کو کوئی طاقت ختم
کر سکی نہ کر سکے گی اور بیس رکعات کے سنت نبویہ ہونے کو کسی طاقت نے آج
تک ثابت کیا نہ کر سکے گی رہا بیس رکعات کے خلفاء راشدین کی سنت ہونے
کا دعویٰ تو اس کے دلائل کا حال بھی پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے اسے
ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ابعاً: اگر حضرت المؤلف کے انداز فکر کو اپنایا جائے تو پھر ہم بھی یہ کہنے
کا حق رکھتے ہیں کہ "بہر حال یہ روایت داود بن قیس اکیس رکعات والی ترجیح یا
تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد گیارہ یا تیرہ رکعات
پڑھنے والوں کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد اکیس
کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ ثابت ہوگا کہ عہد فاروقی میں چند روز
اکیس پر عمل رہا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اکیس پر عمل موقوف ہو گیا اور
لوگ بحسب امر فاروقی گیارہ رکعات پڑھتے رہے پھر صاحب رسالہ ہی کے انداز فکر کو
پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمان کی روایت کو
بھی حضرت داود بن قیس کی روایت پر قیاس فرمالیں فتامل۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے جہاں حضرت عمرؓ کے
تراویح قائم کرنے کا ذکر کیا ہے وہاں گیارہ کا ذکر بھولے سے بھی نہیں
کیا ہے فرماتے ہیں۔

"فلما جمعهم عمر على ابي بن كعب كان يصلى بهم
عشرين ركعة ويوتر بثلاث" فتاوی ابن تیمیہ ۲ ص ۲۴۱

(ترجمہ) پس جب عمرؓ نے انہیں ابی بن کعبؓ پر جمع فرما دیا تو وہ انہیں بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے)

اولاً: صاحب رسالہ کے کلام میں مذکور ترجیح یا تطبیق کو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح قائم کرنے کے بیان میں گیارہ رکعات کے ذکر نہ کرنے کی وجہ بنانا اور بتانا بے دلیل ہے اور جو قول فتادی ابن تیمیہ سے نقل کیا گیا ہے اس کی دلیل نہیں جیسا کہ اس پر غور و فکر کرنے سے ظاہر ہے جب صورت حال یہ ہے تو پھر اوپر منقول قول صاحب رسالہ کے بیان "یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام الخ" میں مذکور حصر و قصر کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔

وثانیاً: شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس مقام پر گیارہ رکعات کا ذکر نہ فرمانے سے نفس الامر اور واقع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ پڑھانے کا حکم دینے، حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے اور لوگوں کے عہد فاروقی میں گیارہ اور تیرہ رکعات ادا کرنے کی نفی نہیں ہوتی نیز جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم، ابی بن کعب و تمیم کا عمل گیارہ رکعات اور لوگوں کا عہد فاروقی میں عمل گیارہ اور تیرہ رکعات صحیح آثار سے ثابت ہے تو محض شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول " فلما جمعهم الخ" کو لے کر ان صحیح آثار کو رد کرنا کوئی انصاف نہیں۔

وثالثاً: پھر شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول " فلما جمعهم الخ" بظاہرہ حضرت المؤلف کی نقل کردہ تطبیق کی تردید کر رہا ہے فتدبر۔

ورابعاً: چونکہ بات شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی چل نکلی ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی تحقیق بھی سپرد قلم کر دی جائے شاید اس ہی سے کسی کا بھلا ہو جائے چنانچہ ملا علی قاری

Scanned with CamScanner

رحمہ اللہ الباری مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں،

"قال ابن تیمیۃ الحنبلی: اعلم انہ لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلاث عشرۃ رکعۃ لکن کان یطیل الرکعات، فلما جمعھم عمر علی ابی کان یصلی بھم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلاث وکان یخف القراءۃ بقدر ما زاد من الرکعات لان ذالک اخف علی المامومین من تطویل الرکعۃ الواحدۃ ثم کان طائفۃ من السلف یقومون باربعین رکعۃ ویوترون بثلاث وآخرون بست وثلاثین واوتروا بثلاث وھذا کلہ حسن سائغ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزید ولا ینقص فقد اخطأ۔ اھ (ج ۳ ص ۱۹۳)

(ترجمہ) ابن تیمیہ حنبلی نے فرمایا: جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں کوئی معین عدد مقرر نہیں فرمایا بلکہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے "لیکن رکعات کو طویل کرتے تھے پس جب حضرت عمرؓ نے انہیں ابیؓ پر جمع کر دیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے پھر تین وتر پڑھاتے اور قراءۃ اتنی ہلکی کر لیتے جتنی رکعات بڑھائی تھیں کیونکہ یہ چیز مقتدیوں کے لیے ایک رکعت لمبی کرنے سے زیادہ آسان تھی۔ پھر سلف میں سے کچھ لوگ چالیس رکعت قیام اور تین وتر پڑھتے تھے اور کچھ دوسرے حضرات چھتیس رکعت قیام اور تین وتر ادا کرتے تھے اور یہ سب صورتیں اچھی اور جائز ہیں اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قیام رمضان میں کوئی تعداد معین ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہے اور جسے انسان نہ کم کر سکتا ہے نہ زیادہ تو اس شخص نے خطا کی۔

انتہی (ج ۳ ص ۱۹۳)

اقول: ان الحافظ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ تعالی لم ینف فی کلامہ

هذا ثبوت العدد المعين في التراويح عن النبي صلى الله عليه وسلم كما توهمه بعض الناس اليوم، بل قد اثبت فيه العدد المعين فيها عنه صلى الله عليه وآله وسلم حيث قال: لا يزيد في رمضان ولا في غيره على ثلاث عشرة ركعة ۔ وانما نفى فيه توقيت العدد المعين فيها عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم ۔ وهذا هو المراد بقول السيوطي: ولو ثبت عددها بالنص لم تجز الزيادة عليه ولاهل المدينة والصدر الاول كانوا اورع من ذالك ۔ وبقول الشوكاني الماضي: فقصر الصلاة المسماة بالتراويح على عدد معين الخ ۔

(ترجمہ) میں کہتا ہوں ـــــ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے اس کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں معین عدد کے ثبوت کی نفی نہیں فرمائی جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے ۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں معین عدد یہ کہہ کر ثابت فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ نفی صرف اس بات کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی معین عدد مقرر فرمادیا ہو یہی مطلب سیوطی کے اس قول کا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں " اگر نص کے ساتھ (صاف لفظوں میں) اس کی تعداد ثابت ہوتی تو اس سے زیادتی کرنا کبھی جائز نہ ہوتا اور اہل مدینہ اور صدر اول کے لوگ اس سے زیادہ بچنے والے تھے ۔" اور شوکانی کے گذشتہ قول " اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کرنا الخ " کا مطلب بھی یہی ہے ۔

۱۳ ۔ حضرت المؤلف کی ایک تحریر دلپذیر

بندہ نے اس تبصرہ کے تقریباً انتالیس صفحات بدست میاں محمد صادق متعلم جامعہ عربیہ ۔ جی ۔ ٹی ۔ روڈ ۔ گوجرانوالہ حضرت المؤلف کو بھیجے اس کے بعد میاں محمد صادق موصوف ہی صاحب رسالہ کی طرف سے ایک تحریر فقیر کے پاس

لائے جو درج ذیل ہے۔

باسمہ سبحانہ وتعالی

محترم جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مدظلکم العالی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میرے رسالہ "بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت" پر آپ کا تبصرہ میرے لیے موجب مسرت ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے بڑی محنت سے کام لے کر اس خدمت کو سرانجام دیا ہے آپ کا تبصرہ میرے لیے مفید معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوا ہے آپ نے جن خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے اگر موقع ملا تو آئندہ طباعت میں ان شاء اللہ یہ دور کر دی جائیں گی سردست میں چند چیزیں آپ کے زیر نظر لے آنا مناسب سمجھتا ہوں

۱۔ شارح ترمذی محدث مبارکپوری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب تحفۃ الاحوذی میں ابن فنجویہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"قلت: فی اسنادہ ابو عبداللہ بن فنجویہ الدینوری ولم اقف علی ترجمتہ فمن یدعی صحۃ ھذا الاثر فعلیہ ان یثبت کونہ ثقۃ"

"میں کہتا ہوں: اس کی سند میں ابو عبداللہ بن فنجویہ دینوری ہے اور مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے تو جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعوی کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس کا ثقہ ہونا ثابت کرے"

"تو لیجئے العبر فی خبر من غبر ج ۳ ص ۱۱۶ غالباً کا مطالعہ فرمائیے اور ابن فنجویہ کی ثقاہت کا ثبوت علامہ ذہبی سے لیجئے۔" ابن فنجویہ وکان ثقۃ مصنفا روی عن ابی بکر بن السنی وعیسی بن حامد الرخمی وطبقتھما وحصل لہ حشمۃ ومال" (ابن فنجویہ۔ اور وہ ثقہ مصنف تھا۔ اس نے ابوبکر بن سنی اور عیسی بن حامد رخمی اور ان کے طبقہ سے روایت کی اور اسے حشمت اور مال حاصل ہوا)

۲۔ آپ نے اپنے تبصرہ کے صفحہ ۱۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ "صاحب رسالہ کی خدمت

میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالک سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں'' نیچے کی سند پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیے:

''قال البیھقی: فی معرفۃ السنن والآثار: اخبرنا ابو زکریا قال حدثنا ابو الحسن الطرائفی قال حدثنا عثمان بن سعید قال حدثنا یحیی ابن بکیر قال حدثنا مالک حدثنی یزید بن خصیفہ عن السائب ابن یزید قال: کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر'' (رواہ البیھقی فی معرفۃ السنن والآثار قلمی نسخہ ص ۲۵۷)

ترجمہ ''بیھقی نے معرفۃ السنن والآثار میں فرمایا: ہمیں ابو زکریا نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں ابو الحسن طرائفی نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں یحیی بن بکیر نے بیان فرمایا انہوں نے فرمایا ہمیں مالک نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور تین وتر قیام کرتے تھے''۔

۳۔ عبدالرزاق بن ہمام کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو اشکال ہیں اس کے لیے ملاحظہ فرمائیے فتح الباری کا مقدمہ ہدی الساری ج ۲ ص ۱۴۳

محمد عارف

۲۵ر دسمبر ۱۹۷۸ء

از (مولانا) غلام سرور (صاحب)۔ جین ضلع گجرات

۱۔ ابو عبداللہ بن فنجویہ الدینوری کی ثقاہت کی الجراد دیگر کتب کے مطالعہ سے تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالی۔

۲۔ اس اثر کی امام مالک رحمۃ اللہ تعالی سے نیچے کی سند کی بھی تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالی۔

۳۔ حافظ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کے بارے میں مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

"عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري الصنعاني احد الحفاظ الاثبات وثقه الائمة كلهم الا العباس بن عبد العظيم العنبري وحده فتكلم بكلام افرط فيه ولم يوافقه عليه احد وقد قال ابو زرعة الدمشقي قيل لاحمد من اثبت في ابن جريج عبد الرزاق او محمد بن بكر البرساني فقال عبد الرزاق. وقال عباس الدوري عن ابن معين كان عبد الرزاق اثبت في حديث معمر من هشام بن يوسف وقال يعقوب بن شيبة عن علي بن المديني قال لي هشام بن يوسف كان عبد الرزاق اعلمنا واحفظنا فقال يعقوب وكلاهما ثقة ثبت وقال الذهلي كان ايقظهم في الحديث وكان يحفظ وقال ابن عدي رحل اليه ثقات المسلمين وكتبوا عنه الا انهم نسبوه الى التشيع وهو اعظم ما رموه به واما الصدق فارجو انه لا باس به وقال النسائي فيه نظر فمن كتب عنه باخرة كتبوا عنه احاديث مناكير وقال الاثرم عن احمد من سمع منه بعد ما عمي فليس بشئ وما كان في كتبه فهو صحيح وما ليس في كتبه فانه كان يلقن فيتلقن قلت احتج به الشيخان في جملة حديث من سمع منه قبل الاختلاط وضابط ذالك من سمع منه قبل المأتين فاما بعدها فكان قد تغير وفيها سمع منه احمد بن شبوية فيما حكى الاثرم عن احمد واسحاق الدبري وطائفة من شيوخ ابي عوانة والطبراني ممن تاخر الى قرب الثمانين ومأتين وروى له الباقون. اه

اقول: ان اسحاق بن ابراهيم ابا يعقوب الدبري راوي المصنف عن عبد الرزاق وقد علمت ان الحافظ قد صرح ان سماعه من عبد الرزاق بعد التغير والاختلاط وقال الذهبي في الميزان: اسحاق ابن ابراهيم الدبري صاحب عبد الرزاق قال ابن عدي: استصغر في

عبد الرزاق قلت، ما كان الرجل صاحب حديث وانما اسمعه ابوه واعتنى به سمع من عبد الرزاق تصانيفه وهو ابن سبع سنين او نحوها لكن روى عن عبد الرزاق احاديث منكرة فوقع التردد فيها هل هي منه فانفرد بها او هي معروفة مما تفرد به عبد الرزاق وقد احتج بالدبري ابو عوانة في صحيحه وغيره واكثر عنه الطبراني وقال الدارقطني في رواية الحاكم صدوق ما رايت فيه خلفا انما قيل لم يكن من رجال هذا الشان قلت ويدخل في الصحيح؟ قال اي والله. وفي مرويات الحافظ ابي بكر بن الخير الاشبيلي كتاب الحروف الذي اخطأ فيها الدبري وصحفها في مصنف عبد الرزاق للقاضي محمد بن احمد مفرج القرطبي و عاش الدبري الى سبع وثمانين ومائتين. اه لكن بين سماع رجل من المختلط بعد الاختلاط وبين روايته عنه بعد الاختلاط كتابه الذي صنفه قبل الاختلاط فرق، فتدبر۔

(ترجمہ) عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری صنعانی حفاظ اثبات میں سے ایک ہیں تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے سوائے تنہا عباس بن عبد العظیم عنبری کے، کہ انہوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے جس میں زیادتی کی ہے اور کسی نے اس کلام میں ان کی موافقت نہیں کی۔ اور ابو زرعہ دمشقی نے کہا کہ احمد سے کہا گیا کہ ابن جریج سے روایت میں زیادہ پختہ کون ہے؟ عبد الرزاق یا محمد بن بکر برسانی تو انہوں نے فرمایا عبد الرزاق اور عباس دوری نے ابن معین سے بیان کیا کہ معمر کی حدیث میں عبد الرزاق، ہشام بن یوسف سے زیادہ پختہ تھے اور یعقوب بن شیبہ نے علی بن مدینی سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہشام بن یوسف نے کہا کہ عبد الرزاق ہم سب سے زیادہ علم اور حافظہ والے ہیں تو یعقوب نے فرمایا وہ دونوں ثقہ ثبت ہیں اور ذہلی نے کہا کہ وہ حدیث میں ان سب سے زیادہ بیدار مغز تھے اور وہ حفظ رکھا کرتے تھے ابن عدی نے فرمایا اس کی طرف ثقہ مسلمانوں نے رحلت کی اور اس سے حدیث

لکھی مگر انہوں نے اس کو تشیع کی طرف منسوب کیا اور یہ سب سے بڑی چیز ہے جو
لوگوں نے اس پر لگائی ہے۔ رہا اس کا صدق تو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی خرابی
نہیں اور نسائی نے کہا اس میں نظر ہے پس جنہوں نے اس سے آخری عمر میں لکھا ہے
انہوں نے اس سے منکر حدیثیں لکھی ہیں اور اثرم نے احمد سے بیان کیا کہ جس نے اس
سے نابینا ہونے کے بعد سنا ہے وہ کوئی چیز نہیں ہے اور جو اس کی کتابوں میں ہے
وہ صحیح ہے اور جو اس کی کتابوں میں نہیں تو اس کو تلقین کی جاتی تو تلقین قبول کرتا
تھا۔ میں کہتا ہوں شیخین نے اس سے ان لوگوں کی حدیث میں احتجاج کیا ہے جنہوں نے
اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جنہوں نے اس سے
سنہ ۲۰۰ھ سے پہلے سنا ہے (وہ ٹھیک ہے) اور اس کے بعد اس میں تغیر آگیا تھا اور
اسی عرصہ میں احمد بن شبویہ نے اس سے سنا جیسا کہ اثرم نے احمد سے بیان کیا ہے
اور اسحاق دبری نے بھی اور ابو عوانہ اور طبرانی کے شیوخ کی ایک جماعت نے بھی
جو سنہ ۲۸۰ھ کے قریب تک متاخر تھے اور باقی نے اس سے روایت کی۔ اھ

میں کہتا ہوں۔ — اسحاق بن ابراہیم ابو یعقوب دبری کتاب مصنف
کو عبدالرزاق سے روایت کرنے والے ہیں اور آپ جان چکے ہیں کہ حافظ نے تصریح
کی ہے کہ ان کا عبدالرزاق سے سماع ان کے تغیر [illegible] ہے اور ذہبی نے
میزان میں فرمایا۔ اسحاق بن ابراہیم دبری جو عبدالرزاق کے [illegible]
نے کہا انہیں عبدالرزاق میں صغیر سمجھا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ آدمی صاحب حدیث [illegible]
تھا صرف اس کے باپ نے اسے سماع کروایا اور اس کی طرف توجہ کی۔ اس نے
عبدالرزاق سے سات سال یا اس کے قریب عمر میں اس کی تصانیف سنیں لیکن
عبدالرزاق سے منکر احادیث روایت کیں پس ان میں تردد پیدا ہو گیا کہ آیا وہ
صرف اسی کی ہیں کہ وہ ان میں منفرد ہے یا ان معروف احادیث میں سے ہیں
جن میں عبدالرزاق منفرد ہے اور دبری کے ساتھ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اور دوسرے
محدثین نے حجت پکڑی ہے اور طبرانی نے اس سے بہت روایات بیان کی ہیں اور

Scanned with CamScanner

دارقطنی نے حاکم کی روایت میں کہا صدوق ہے میں نے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھا صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس شان کے آدمیوں سے نہ تھا۔ میں نے کہا اور اسے صحیح میں داخل کیا جاتا ہے؟ اس نے کہا ہاں اللہ کی قسم اور حافظ ابوبکر ابن خیر اشبیلی کی روایت کردہ کتابوں میں قاضی محمد بن احمد مفرج قرطبی کی کتاب "کتاب الحروف الذی اخطاء فیہا الدبری وصحفہا فی مصنف عبدالرزاق" بھی شامل ہے اور دبری ۲۸۷ھ تک زندہ رہے اھ لیکن مختلط سے اختلاط کے بعد آدمی کے سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی فرق ہے فتدبر۔

۱۴۔ تعارف وتبصرہ

از قلم شیخ الحدیث فخر الاماثل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ محترم مولانا غلام سرور صاحب کا رسالہ تراویح کے بارہ میں میں نے دیکھا مصنف محترم نے رسالہ زیر تبصرہ میں تراویح کی بیس رکعت ثابت کرنے میں خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تعامل کو صحیح الاسانید روایات سے ثابت کرنے میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے یہ ایک کامیاب کوشش ہے اور حسب ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین" کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزا خیر دے مصنف نے اپنے قلم کو کسی طعن وطنز سے محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور موجودہ زمانے کے ارباب قلم کے طرز تحریر سے حتی الامکان بچنے کی پوری پوری کوشش کی ہے جس میں اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو قلم کے نشتروں سے زخمی کرنے کا وطیرہ اختیار کیا جاتا ہے مؤلف محترم نے نہایت سنجیدہ طریقہ سے مسئلہ

کو واضح کرنے کی سعی کی ہے جزاہ اللہ عنی و عن سائر المسلمین فقط محمد چراغ
مہتمم مدرسہ عربیہ رجسٹرڈ گوجرانوالہ (رسالہ مذکورہ ص ۲)

مولانا محمد چراغ صاحب کے تبصرہ کا جائزہ

حضرت المؤلف نے اپنے پورے رسالہ میں کوئی ایک بھی حسن السند روایت ایسی پیش نہیں فرمائی جس سے واقعہ "بیس رکعات تراویح کا سب خلفاء راشدین یا کسی ایک خلیفہ راشد کا فاعل ہونا ثابت ہوتا ہو چہ جائیکہ انہوں نے بیس رکعات تراویح کے خلفاء راشدین یا خلیفہ راشد کے فاعل ہونے کے ثبوت میں کوئی ایک صحیح السند روایت یا کوئی ایک صحیح الاسانید روایات پیش فرمائی ہوں اس تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بندہ حضرت مولانا موصوف کے پیش فرمودہ تعارف وتبصرہ کی پرزور تائید کرتا ہے نیز حضرت المؤلف کی توجہ اغلاطِ کتابت کی طرف مبذول کراتا ہے مثلاً ایک مقام پر حافظ سخاوی کو حافظ سخاوت، ایک جگہ مجروح کو مرجوع اور شعر ستبدی لک الایام الخ میں من لم تزود کو لم تزود لکھا گیا ہے امید ہے توقع ملنے پر اس قسم کی اغلاط کی بھی تصحیح واصلاح فرمالی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فقیر نے اپنی ساری تحریر میں پوری پوری کوشش کی ہے کہ حضرت المؤلف کے ممدوح انداز تحریر سے ہٹا ہوا کوئی ایک جملہ بھی استعمال نہ کیا جائے تاہم میری تحریر سے کوئی ایک کلمہ بھی اگر مصنف صاحب کی طبع پر ناگوار گذرے تو بندہ اس کے لیے صاحب رسالہ کی خدمت میں معذرت پیش کرتا ہوا دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین یارب العالمین!

ابن عبد الحق بقلمہ
سرفراز کالونی - جی - ٹی - روڈ - گوجرانوالہ
۴ صفر ۱۳۹۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

اس تبصرہ کا کچھ حصہ مؤلف رسالہ "بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت" کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے جناب حافظ محمد عارف صاحب مدرس جامعہ عربیہ جی۔ٹی روڈ گوجرانوالہ سے ایک تحریر لکھوا کر مجھے بھیجی جس کو من وعن پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور اس کا عکس بھی دیا جا رہا ہے اصل تحریر ہمارے پاس محفوظ پڑی ہے اس تحریر میں انہوں نے تین چیزوں کی طرف توجہ دلائی تھی جن میں سے ایک چیز کے متعلق تو اپنی تحقیق لکھ کر تبصرہ کے باقی حصہ کے ساتھ ان کو بھیج دی گئی اور دو چیزوں کے متعلق وعدہ کر لیا گیا کہ ان کی بھی تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب کے جب بعض دوستوں نے اس تبصرہ کو طبع ونشر کرنے کا پروگرام بنایا تو ہمارے محترم ساتھی حافظ عبد السلام صاحب بھٹوی حفظہ اللہ نے توجہ مبذول کرائی کہ ان دو چیزوں کی تحقیق والا وعدہ بھی پورا ہونا چاہیے مگر جو کتابیں درکار تھیں وہ ادھر موجود نہ تھیں اس لیے کوشش شروع کر دی گئی پتہ چلا کہ وہ کتابیں ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں موجود ہیں چنانچہ وہاں سے مطلوبہ صفحات کی نقول کو حاصل کیا اس سلسلہ میں ہمارے محترم ساتھی مولانا ارشاد الحق صاحب اثری حفظہ اللہ نے ہر طرح تعاون فرمایا جس پر ہم ان کے انتہائی شکر گذار ہیں۔

پہلی چیز صاحب رسالہ نے محولہ بالا تحریر میں ابن فنجویہ دینوری کی ثقاہت کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب العبر سے نقل فرمایا اس پر میری طرف سے یہ وعدہ کیا گیا "ابن فنجویہ دینوری کی ثقاہت کی العبر اور دیگر کتب کے مطالعہ سے تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ" چنانچہ وہ تحقیق ملاحظہ فرمالیں۔

Scanned with CamScanner

علامہ ذہبیؒ ہی اپنی مایہ ناز کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں لکھتے ہیں:

"قال شیرویہ فی تاریخہ: کان ثقة صدوقا کثیر الروایة للمناکیر حسن الخط کثیر التصانیف" الخ (ج ۱۷، ص ۳۸۳)

علامہ شیرویہ اپنی تاریخ میں کہتے ہیں "ابن فنجویہ دینوری ثقہ، صدوق، منکر روایات کو کثرت سے بیان کرنے والے، خوشنویس اور تصانیف کثیرہ کے مصنف تھے" الخ

تو ابن فنجویہ دینوری کے منکر روایات کو کثرت سے بیان کرنے والے اس وصف کو ملحوظ رکھیں، ان کی بیان کردہ بیس رکعات والی موقوف روایت کی تحقیق کو اسی کتاب میں "حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا اثر" کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں اور صاحب رسالہ کی اضطراب والی بحث اور میری طرف سے اس کے جواب کو بھی اسی کتاب میں پڑھیں تو آپ ابن فنجویہ دینوری کی اس موقوف روایت کی تحقیق کے سلسلہ میں ضرور بالضرور کسی ٹھوس نتیجہ تک پہنچ جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری چیز مؤلف رسالہ صفحہ ۷۶ پر لکھتے ہیں "یزید بن خصیفہ کے دوسرے شاگرد امام مالک کی روایت یہ ہے حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال، کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر رواہ البیہقی فی المعرفة" اس کے جواب میں انہیں میری طرف سے لکھا گیا "امام بیہقی کی کتاب معرفة بندہ کے پاس نہیں۔ صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالکؒ سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں" میری اس بات کے جواب میں وہ لکھتے ہیں "نیچے کی سند پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمایئے۔

"قال البیہقی فی معرفة السنن والآثار: اخبرنا ابوزکریا قال حدثنا ابوالحسن الطرائفی قال حدثنا عثمان بن سعید حدثنا یحیی بن بکیر قال

حدثنا مالك حدثني يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال:

كنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر"

(رواه البيهقي فی معرفة السنن والآثار قلمی نسخہ ص ۳۶۷)

ہم اس مقام پر معرفة السنن والآثار کے قلمی نسخہ کے صفحہ ۳۶۷ کا عکس دے رہے ہیں اس کو بغور پڑھیں صاحب رسالہ کی اپنے رسالہ اور اپنی اس تحریر میں رقم کروائی ہوئی سند خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی کہیں آپ کو نظر نہیں آئے گی معرفة السنن والآثار میں امام مالک کے اوپر سند اس طرح ہے" عن يزيد بن رومان انه قال:

كان الناس يقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرين ركعة" جیسا کہ اس عکس سے ظاہر ہو رہا ہے مگر صاحب رسالہ اور ان کے محرر دونوں بزرگوں نے سند کے اندر امام مالکؒ کے استاذ یزید بن رومان کو یزید بن خصیفہ سے بدل ڈالا پھر معرفة کے اسی صفحہ میں اس سے پہلے مذکور محمد بن جعفر والی سند اور روایت نقل کر دی تو یوں اس سند کو اپنے خیال کے مطابق صحیح بنا کر وہ خوش ہو گئے حالانکہ امر واقع اس طرح نہیں جیسا کہ معرفة کے اس صفحہ کے عکس سے واضح ہے۔

تو امام مالکؒ نے اس موقوف روایت کو یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید سے بیان نہیں کیا ہاں انہوں نے اس کو یزید بن رومان سے بیان کیا ہے اور یزید بن رومان نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور پایا ہی نہیں لہذا مالک کی یہ روایت بوجہ انقطاع قابل اعتبار نہیں۔

علامہ عینی حنفی عمدة القاری میں لکھتے ہیں:

"فان قلت: قال مالك فی المؤطا عن يزيد بن رومان قال:

كان الناس فی زمن عمر يقومون فی رمضان بثلاث و

عشرين ركعة۔ قلت: قال البيهقي: والثلاث هو الوتر و

Scanned with CamScanner

یزید لم یدرک عمر فیکون منقطعاً

(ج ۲ ص ۴۹۸ باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل والنوافل من غیر ایجاب)

لطف یہ کہ امام بیہقی کی معرفتہ کے اسی صفحہ پر اس کے بعد امام مالک کی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی گیارہ رکعات والی روایت موجود ہے آپ اس کو اس دیئے ہوئے عکس میں پڑھ لیں۔ پھر یہ بھی واضح ہو گیا کہ صاحب رسالہ کا امام مالک کو اپنے رسالہ میں یزید بن خصیفہ سے اس اثر کو روایت کرنے والوں میں شمار کرنا بھی غلط ہے جس سے رجوع کا اعلان کرنا ان کے لیے ضروری ہے۔

الحاصل امام مالکؒ کی یزید بن رومان والی یہ موقوف روایت حقیقت میں منقطع ہے جسے یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید کو یزید بن رومان کی جگہ لکھ کر متصل بنایا گیا ہے اب ہم نہیں جانتے کہ صاحب رسالہ حضرت مولانا غلام سرور صاحب اور ان کی طرف سے یہ تحریر لکھ کر میری طرف بھیجنے والے حافظ محمد عارف صاحب دونوں نے یا ایک نے عمداً ایسا کیا ہے یا سہواً ان سے ایسا ہو گیا ہے بہر حال یہ کام اپنی جگہ پر انتہائی شنیع ہے دونوں بزرگوں کی ذمہ داری ہے کہ اولین فرصت میں وہ اس غلطی کا ازالہ فرمائیں آخر ہم سب نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

ابن عبد الحق بقلمہ

گوجرانوالہ

۸/۳/۱۴۰۷ھ

http://salfibooks.blogspot.com

محمد یونس شاکر
نوشہرہ ورکاں

Scanned with CamScanner